شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم بزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی

تخریج واضافہ

حافظ حامد محمود الخضری حافظ محمد الیاس دانش

تحت اشراف

شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ







انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

باب: ٤

باب: ٥

باب: ٦

باب: ٧

باب : ۸

باب : ۹

باب :۱۰

باب :۱۱

باب : ۱۲

باب : ۱۳

❋......❋......❋

مقدمہ

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّاتِ أعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا٥﴾

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا٥ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا٥﴾

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، أَلضَّلَالَةُ فِي النَّارِ . "

یہ کتاب جو چھپ کر ہدیۂ قارئین ہوئی ہے ''شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم بزبانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کے نام سے موسوم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں کہ جنہوں نے حالت اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و دیدار سے اپنی پیاس بجھائی اور خوب سیر ہوئے۔ اس بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بشارت دی کہ:

((لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِيْ .)) [1]

''آتش جہنم اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا ہو۔''

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قطعی جنتی ہیں۔دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسے بلند درجہ پر ہیں کہ ان کو ایک مجلس میں واضح الفاظ میں جنتی کہا گیا ہے:

((أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ ، وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَسَعِيْدٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَاَبُو عُبَيْدَةُ بْنَ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ .)) [2]

''ابوبکر جنتی ہے، عمر جنتی ہے، عثمان جنتی ہے، علی جنتی ہے، طلحہ جنتی ہے، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہے، سعد جنتی ہے، سعید جنتی ہے اور ابوعبیدہ بن الجراح جنتی ہے۔''

یقیناً ایک مسلمان کو اگر چند لمحات کی صحبت نبوی بھی نصیب ہو جائے تو یہ اتنا بڑا شرف ہے کہ جو قطعی جنتی ہونے کی ضمانت ہے۔آیئے ذرا قرآنِ حکیم پر بھی ایک نظر ڈالیں کہ وہ اس بارے میں کیا فیصلہ دیتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾

(الحجرات : ٧)

---

[1] سنن ترمذی ، ابواب المناقب، رقم: ٣٨٥٨، مشکاۃ ، رقم: ٦٠١٣، کنز العمال ، رقم: ٣٢٤٨٠.

[2] صحیح سنن ترمذی ، ابواب المناقب، رقم: ٣٧٤٧ ، المشکاۃ ، رقم: ٦١١٠، ٦١١١، تخریج الطحاویۃ للألبانی ، رقم: ٧٢٨.

”اور تم جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، اگر وہ بہت سے اُمور میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے، اور تمہارے دلوں میں اس کی زینت وخوبی بٹھا دی ہے، اور تمہارے لیے کفر اور نافرمانی اور گناہ کو قابل صد نفرت بنا دیا ہے، یہی لوگ راہِ راست پر گامزن ہیں۔“

اس آیت کریمہ کے مخاطب لوگ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، جیسا کہ ابتدائی الفاظ سے صاف واضح ہے، اور وہ الفاظ ہیں: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ ”اور تم جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔“

تمام سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ:

۱۔ تم پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا کہ تمہارے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے۔

۲۔ اور اس میں کفر باللہ، کذب بیانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی نفرت بٹھا دی ہے، جس کی برکت سے تم بہت سی مشقتوں سے نجات پا جاتے ہو۔

۳۔ درحقیقت یہی لوگ راہِ حق پر چلنے والے، اور اس پر شدت کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کے دل میں، ایمان کی محبت اور کفر باللہ، کذب بیانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی نفرت خود اللہ تعالیٰ بٹھا دے، کیا اس کے اندر کسی کفر اور ارتداد یا نفاق کا کوئی شائبہ پیدا ہونا ممکن ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم نشینی ایسی معمولی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ تاثیر ہم نشینی کا بخوبی اندازہ سیّدنا ابو فراس ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کی طلب گاری سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”میں رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی رکھا کرتا، اور راتوں کو بیدار رہتا، کہیں آپ کو کوئی کام نہ پڑ جائے، آپ کا انتظار کرتا رہتا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے، وضو کیا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((سَلْ)) ”یعنی مجھ سے

آج کے دن جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔"

سیّدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ انتہائی غریب آدمی تھے، وہ جانتے تھے کہ آج جو مانگوں گا مل جائے گا۔ زمین کا سوال کرتے، مل جاتی۔ یاد رہے کہ وہ زمینیں جو رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو الاٹ کی تھیں، اتنی زیادہ تھیں کہ ساری زندگی لوگ آباد کرتے رہے لیکن وہ مکمل آباد نہ ہو سکیں، جاگیر طلب کرتے، عطا ہو جاتی، اونٹ مانگتے عنایت ہو جاتے، لیکن انہیں علم تھا کہ اس مال و دولت کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت کیا ہے؟ لہٰذا موقع غنیمت جان کر عرض کیا:

((أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ .))

"کہ میں تو جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔"

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے سیّدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی، اور ان سے فرمایا: ((أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟)) "اس کے علاوہ کچھ اور نہیں مانگتا؟"

سیّدنا ابوفراس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ((هُوَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!)) "اے اللہ کے رسول! میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے، اور کسی چیز کی طلب ہی نہیں ہے۔"

غریب ترین ہوتے ہوئے بھی اگر کچھ مانگا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں ہم نشینی مانگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوفراس! اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتے ہو تو ایک کام کرنا ہوگا:

((فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ .)) [1]

"زیادہ سے زیادہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے آپ کو اس قابل بنا کر کہ مجھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں بھی رفاقت مل جائے۔"

اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا ہے کہ وہ ہمیں بھی جنت میں اپنا دیدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور ہم نشینی نصیب فرمائے۔ آمین

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ١٠٩٤.

یہاں ایک لطیف نقطہ ہے، جس کی طرف توجہ چلی گئی، پس اس کا بیان کرنا ضروری ہے، بلکہ انتہائی ضروری ہے کہ اس کے بغیر بیان کیے طبیعت بے قرار رہے گی، اور چین وسکون نہیں آ سکتا، بلکہ اس کو بیان کیے بغیر ایمانی حلاوت محسوس نہیں ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت اور ہم نشینی کے طلب گار ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے آخر الزمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (الکهف: ۲۸)

''اے نبی! اپنے آپ کو ہمیشہ ان (صحابہ) کے ساتھ رکھیے، جو صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، اس کی رضا جوئی کے خواست گار رہتے ہیں۔''

حضرات! رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی اور رفاقت کوئی ایسی معمولی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ شیخ سعدی نے تاثیر رفاقت ومعیت اور صحبت وہم نشینی کو بڑے خوب انداز میں بیان کیا ہے:

گل خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوب بہ دستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گل نا چیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

''ایک دن ایک خوشبودار مٹی ایک دوست کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں آئی۔

میں نے اس سے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عنبر، میں تیری دل آویز خوشبو سے مست ہوا جاتا ہوں۔ مٹی نے کہا میں تھی تو ناچیز مٹی، لیکن ایک عرصے تک پھولوں کے ساتھ رہ کر بس گئی ہوں۔ اس ہم نشینی اور رفاقت نے مجھ میں یہ اثر کیا ہے ورنہ میں تو وہی معمولی مٹی ہوں۔''

سوچنے کی بات ہے کہ مٹی کو خوشبو دار پھول کی صحبت نصیب ہو تو وہ خود بھی خوشبودار ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان ، اشرف المخلوقات دولت ایمان سے سرشار ہو صحبت رسول کریم ﷺ میں رہے اور پھر کوئی اثر قبول نہ کرے؟

رسول اللہ ﷺ کی نظر کیمیا اثر محض پارس نہ تھی کہ جسے چھو دے وہ سونا بن جائے، بلکہ وہ ایسا پارس ہے کہ جو اس سے چھو گیا وہ خود پارس بن گیا۔ لہٰذا جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ جنتی ہو گیا۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب جنتی ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے بارے میں ذرا برابر بھی شک ہو تو سارا اسلام ہی مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کے یہی اوّلین گواہ ہیں۔

الغرض ان صحابہ کرام سلام اللہ علیہم کے کیا کہنے کہ جن کو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کیمیا اور فیض رفاقت وصحبت نے پارس بنا دیا تھا، اور جن کے متعلق خود اللہ رب العزت گواہی دیتا ہے کہ ایمانی محبت سے ان کے دل معمور تھے، اور جن کے دل ہر کفر و فسق اور معصیت سے متنفر تھے۔

ان کی عظمت اور پاک بازی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جو ہر روز جمالِ رسول ﷺ سے اپنی آنکھوں کو رشک فردوس بناتے رہے، اور پھر ان کی مرتبت کا کیا ٹھکانہ ہے جو آغازِ نبوت سے لے کر اپنی یا خود رسول اللہ ﷺ کی آخری سانس تک ساتھ رہے۔ فیض ہم نشینی سے سرشار ہوتے رہے۔ ایک ایک حکم بجالاتے رہے۔ کبھی سر بکف ہوئے تو کبھی زر بکف۔ کبھی وطن کو ترک کیا تو کبھی املاک و خاندان سے رخ موڑا۔ کبھی ان کے لیے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

(آل عمران : ۱۱۰) کی سند نازل ہوئی تو کبھی پروانہ ایمان ورضوان سے ونوازے گئے۔ کوئی مہاجر تھا، کوئی انصار۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنت کے مشتاق ہوں گے اس سے کہیں زیادہ جنت خود ان کی مشتاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ إِلٰى أَرْبَعَةٍ ، عَلِيٍّ و عَمَّارٍ وَسَلْمَانَ وَالْمِقْدَادِ .)) ❶

''یقیناً جنت چار اشخاص، چار لوگوں کی بڑی شدت سے مشتاق ہے: علی، عمار، سلمان فارسی اور مقدار رضی اللہ عنہم جمعین کی۔''

خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تمام انبیاء سے زیادہ کامیاب رہا، یہی وجہ ہے کہ کم و بیش سوا لاکھ اہل ایمان واسلام نفوسِ قدسیہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حاضری دی۔ ہم نے ان عظیم المرتبت ہستیوں کی سیرتِ طیبہ کو قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اور اس میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، چند دیگر صحابہ، اہل بیت عظام، امہات المؤمنین اور بنات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہم اجمعین کا تذکرہ کیا ہے۔ دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے اور اپنے گلشن حیات کو معطر کرنے کے لیے ان برگزیدہ ہستیوں کی زندگی کا مطالعہ کریں، اور اپنی زندگیوں کو ان کی سیرت کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اللہ کرے کہ یہ کتاب لوگوں کے راہِ راست پر چلنے کا ذریعہ و سبب بن جائے اور ہماری بھی دنیا وآخرت سنور کر رہ جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ .

کتاب کو جمع کرنے کے بعد مسودہ حافظ حامد محمود الخضری، رفیق ادارہ اور حافظ محمد الیاس دانش کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے بڑی عرق ریزی سے اضافہ جات اور تخریج کا کام سرانجام دیا، جس سے کتاب کی قیمت دو چند ہوگئی۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ .

---

❶ معجم کبیر طبرانی : ۲٦٤/٦، حلیة الأولیاء: ۱۴۲/۱ ، مجمع الزوائد: ۱۱۷/۹، ۳۰۷، جامع المسانید والسنن لابن کثیر: ۷۰/۲.

محدث العصر، فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کی سرپرستی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ اس گئے گزرے دور میں شیخ کا منہج اور طریق منہج، سلف کے عین مطابق ہے۔ پس ہم نے ان کی سرپرستی میں کام کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اور ان کی شفقت کہ انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کر رکھا ہے۔ کَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَهُ فِي الْعُلَمَاءِ الْمسْلِمِيْن .

اللہ تعالیٰ محمد شاہد انصاری حفظہ اللہ کی دنیا و آخرت بہتر فرمائے کہ ان کا تعاون ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى .

اللہ تعالیٰ بھلا کرے ابو مومن منصور حفظہ اللہ کا جو ادارہ انصار السنہ کی تالیفات کی طباعت و اشاعت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں، کتاب کی انتہائی خوبصورت کمپوزنگ جناب عبدالرؤف کے حصے میں آئی اور پرنٹنگ کا کام جناب محمد رمضان محمدی نے بخوبی سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت بہتر فرمائے۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب معاشرہ میں رہنے والے خواتین و حضرات کی تعلیم و تربیت کے لیے مفید ثابت ہوگی، اور دعا ہے کہ اللہ رب العالمین اپنی بارگاہ میں ہمیں قبول فرمائے اور اپنے خاص فضل و کرم سے اس میدان میں مزید سعی کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى .

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ

وکتبہ

ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی

بتعاون

حافظ حامد محمود الخضری

۲۰۰۸ـ۸ـ۱م

باب نمبر:۱

قرآن حکیم کی نظر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حقیقی مومن ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ وہ مقدس گروہ ہے، جو اپنی تمام اَوصافِ حمیدہ میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو کائنات کا سب سے افضل ترین گروہ قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جس بھی وصف کو دیکھیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔کوئی دوسرا ان کا مقابل نہیں ہے۔ چنانچہ ان کا ایمان ویقین، تقویٰ وورع، ایثار وہمدردی، زہد وقناعت یہ سب بے مثال تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی اور تصدیق اپنے کلام مقدس میں اتار دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات : ۷،۸)

''اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں اگر وہ اکثر کاموں میں تمہارا کہا مانیں تو تم ایذا میں پڑھ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے، اور تمہارے سامنے ناپسند کر دیا ہے، کفر

اور گناہ کو، اور نافرمانی کو، اور یہی لوگ راہِ ہدایت پانے والے ہیں اللہ کے فضل اور نعمت سے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔''

عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''یعنی وہ لوگ، جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان مزین کر دیا، اور اسے اُن کا محبوب بنا دیا، اور اُن کو کفر، گناہ اور معصیت سے بیزار کر دیا، وہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں'' یعنی جن کے علوم و اعمال درست ہو گئے اور وہ دین قویم اور صراط مستقیم پر کاربند ہو گئے۔'' (تفسیر السعدی)

غور فرمائیں! اللہ عظیم و برتر نے بتایا کہ ہم نے ان کے دلوں کو ایمان سے مزّین کر کے ان پر اپنا فضلِ عظیم فرمایا ہے۔ یہ فضل عظیم اس وجہ سے تھا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ حقیقی اور سچے مومن تھے، کیونکہ ایمان رب تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رکھا تھا۔

جس چیز کا ارادہ اللہ مہربان فرما لے وہ کام ہو کے رہا کرتا ہے، رب تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان کو پسند فرمایا، اور اس سے ان کے دلوں کو مزین کیا ہے، تو یقیناً وہ پکے اور سچے مومن ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥﴾ (الحشر: ۸، ۹)

''محتاج مہاجروں کے لیے جو خاص طور پر نکالے گئے اپنے گھروں سے اور محروم کیے گئے اپنے مالوں سے، اور اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں، اور وہ مدد کرتے ہیں

اللہ اوراس کے رسول کی، اور یہی لوگ سچے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اورایمان میں ان سے پہلے قرار پکڑا، اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی۔ اور جو انہیں دیا گیا ہے اسے اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اور وہ اختیار کرتے ہیں اپنی جانوں پر خواہ انہیں تنگی ہو، جنہوں نے اپنی ذات کو بخل سے بچایا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ زور زور سے پکار رہی ہے کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم سچے مومن تھے، ان کے ایمان کا مقصد بس اللہ تعالیٰ کی رضا تھا، اب ان لوگوں کو اپنے نظریہ اور عقیدہ پر ماتم کرنا چاہیے اوراس نظریہ سے بچ جانا چاہیے کہ جو کہتے ہیں کہ صحابہ دنیا کے مومن ہوئے تھے، اگر ان کی یہ بات مان لی جائے تو یقیناً قرآن کو جھٹلانا پڑے گا۔ جو کہ ممکن نہیں، لہٰذا ان کا جھوٹا ہونا حق ہے، جبکہ قرآن کا سچا ہونا حق۔ اور صحابہ کا پکا اور سچا مومن ہونا حق ہے۔ جیسا کہ قرآن نے واضح کیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾

(الانفال: ٧٤)

''اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی، وہی لوگ حقیقی مومن ہیں، اُن کے لیے اللہ کی مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''قسم اول کے مسلمانوں کا دوبارہ ذکر ہو رہا ہے، تاکہ اللہ کے نزدیک ان کا جو مقام و مرتبہ ہے بیان کیا جائے اور اللہ کی طرف سے اُنہیں جو اجر عظیم ملے گا اس کی انہیں خوشخبری دی جائے۔ مہاجرین و انصار کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے

علاوہ قرآن کریم کی کئی آیتوں میں تعریف کی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے۔" (تیسیر الرحمن، ۱/۵٤٤)

معلوم ہوا کہ یہ آیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان پر قطعی نص ہے۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہے:

قارئین محترم! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکے سچے مومن ہیں، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی دی اور یہ کہ انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ دین کی آبیاری کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خاص محبت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ (التوبہ: ۱۰۸)

"آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا، بے شک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ پاک رہیں، اور اللہ محبوب رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو۔"

عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک رہیں، یعنی گناہوں سے اور میل کچیل، نجاستوں اور ناپاکی سے پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ جو کوئی کسی چیز کو پسند کرتا ہے، وہ اس کے حصول کی سعی اور جدوجہد کرتا ہے، اس لیے یہ لابدّ ہے کہ اہل قبا گناہ، میل کچیل اور حدث سے پاک رہنے کے بہت حریص تھے، اس لیے وہ ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے

اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، جو نماز قائم کرنے والے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کی حفاظت کرنے والے، اقامت دین کی کوشش کرنے والے اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے بچنے والے تھے اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (تفسیر سعدی)

غور فرمایئے ! اس آیت مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی محبت کی ضمانت فراہم کردی گئی ہے۔ جو کہ ان کے پکے اور سچے مومن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ منافقوں اور صحابہ کو گالی دینے والوں سے قطعاً محبت نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اُن پر غضبناک ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بخش دیا گیا ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور تقویٰ، ایثار، ہمدردی کا صلہ ان کو دیتے ہوئے مالک و مہربان نے ان کی لغزشوں کو بھی معاف فرما دیا ہے، اور ان کے لیے اپنی رضامندی اور خوشنودی کو واجب کر دیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

(التوبہ: ۱۰۰)

اور سب سے پہلے ایمان اور اسلام میں سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس میں ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ

سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (التوبہ: ۱۱۷،۱۱۸)

''البتہ توجہ فرمائی اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر وہ جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کی پیروی کی، اس کے بعد قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جاتے پھر اس نے ان پر توجہ کی۔ بے شک وہ ان پر انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر جن کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ ان پر تنگ ہوگئی زمین اپنی کشادگی کے باوجود اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں، اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے جان لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں، مگر اللہ کی طرف، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف توجہ فرمائی تا کہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔''

غور فرمائیں کہ انصار و مہاجرین کو خوشخبری سنا دی گئی ہے، بخشش اور رضا مندی کی جو کہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے۔ یہ کامیابی انصار و مہاجرین کا مقدر بنادی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اجر عظیم ہے:

اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، دنیا کی زندگی تو نرم و گرم حالات میں گزر ہی جائے گی۔ لیکن آخرت کی زندگی گزرنے والی نہیں، بلکہ مستقل رہنے والی ہے۔ اب جو اس زندگی میں کامیاب ہوگیا، یقیناً وہ کامیاب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ وہ مبارک گروہ ہے کہ جو دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے کامیاب ہیں، اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے انعامات

اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ج فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ج وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾ (الفتح : ۱۰)

”بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پس جو شخص بدعہدی کرے گا، تو اس بدعہدی کا برا انجام اسی کو ملے گا، اور جو شخص اس عہد پر قائم رہے گا جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو اللہ اسے اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیاب لوگ ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اجر عظیم، ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی، اللہ کی رضا مندی کی جو ضمانت فراہم کی گئی ہے، یہ اتنا بڑا انعام انہوں نے پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر حاصل نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ اپنی جان و مال واولاد اور اپنے وطن سے بھی ہاتھ دھوئے ہیں، ان قربانیوں کے صلہ میں ان کو کامیاب قرار دیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ط وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ز وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ط ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾

(التوبہ : ۸۸،۸۹)

”لیکن رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اور انہی لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔“

غور فرمائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد سے گھبرانے والے نہ تھے، بلکہ اس کے لیے دل و جان سے قربانیاں دینے کے لیے ہمہ تن تیار رہتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس منافقین نے ہمیشہ پس وپیش سے کام لیا اور جہاد اور تکلیف دہ کاموں سے اپنے آپ کو بچاتے رہے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے رب سے ملاقات کے شوق میں جہاد کی آرزو اپنے سینوں میں لیے ہر وقت اس کے لیے تیار رہتے تھے۔ اور ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے کہ جس کی وجہ سے اللہ کے ساتھ ملاقات ہو جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

(الاحزاب: ۲۲،۲۳)

''اور جب مومنوں نے لشکر کو دیکھا تو وہ کہنے لگے، یہ جس کا ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ دیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس صورتحال نے ان میں زیادہ کیا ہے ایمان اور جذبہ فرمانبرداری کو، مومنوں میں کچھ ایسے آدمی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا، اور کچھ ان میں سے انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

غور فرمائیں کہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے کو پورا کرتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں، اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس انتظار میں ہیں کہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے پر عمل درآمد کا وقت کب آئے، اور وہ اس پر اپنی جان و مال قربان کر کے پورا اتر کر دکھائیں، یہ سوچ اور فکر ان کے ایمان میں مزید اضافہ کرتی ہے، اور جب ایمان زیادہ اور پختہ ہو جائے تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

(الاعراف: ۱۵۷)

”وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں ہمارے رسول کی، نبی امی کی، جسے وہ لکھا ہوا پاتے اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں، وہ انہیں حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور انہیں روکتے ہیں برائی سے، ان کے لیے حلال کرتے ہیں پاکیزہ چیزاور ان پر حرام کرتے ہیں ناپاک چیز، اور اتارتے ہیں ان کے سروں سے بوجھ طوق جوان پر تھے، پس جولوگ اس پر ایمان لائے، اورانہوں نے اس کی حمایت کی، اوراس نور کی پیروی کی جواس کے ساتھ اتارا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کی وجہ سے ہی تکالیف دی گئیں:

بدبخت لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ دنیا کے لیے مسلمان ہوئے تھے،تکلیفوں کو برداشت کرنے کا مطمع نظرصرف اورصرف دنیا کی چودھراہٹ تھی، اس کے سوا کچھ نہ تھا،قرآن حکیم ایسے لوگوں کے گندے ذہن کی نفی کررہا ہے، اور یہ خبر دے رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے مسلمان ہوئے تھے اوران کواسی وجہ سے تکالیف دیں گئیں ورنہ توان کے کردار پرکوئی اعتراض کرنے والا نہ تھا، اعتراض تو بس ان کے دین پرتھا، اس کی وجہ سے ان کوتکالیف دی جاتیں تھیں۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ﴾

(الحج: ۳۹)

”جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، بیشک ان کی مدد پر اللہ تعالیٰ خوب قادر ہے۔“

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”مکہ میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے تو اس وقت بعض جرأت مند صحابہ نے ان کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی تھی، مگر اس وقت اللہ نے انہیں ایسی اجازت نہیں دی، بلکہ صبر واستقامت سے ظلم کو برداشت کرنے کی ہی تلقین کی جاتی رہی، اور یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کی وجہ صاف الفاظ میں بتادی گئی کہ یہ اجازت انہیں اس لیے دی جارہی ہے کہ ان پر مسلسل ظلم ڈھائے جاتے رہے ہیں۔“ (تیسیر القرآن، ۱۶۵/۳)

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝﴾ (الحج : ٤٠)

”یہ وہ ہیں جو بلاوجہ اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یہ عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ویران کردی جاتیں، جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔“

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا

حَسَنَةً وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل : ۴۱)

''جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا ہے، ہم انہیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (النحل : ۴۲)

''وہ جنہوں نے دامنِ صبر نہ چھوڑا، اور اپنے پالنے والے پر ہی بھروسہ کرتے رہے۔''

ان دونوں آیات نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محض اللہ کے دین کی وجہ سے تکلیفیں دی گئیں ہیں، ان کا اپنا کوئی جرم نہ تھا، جب ان کو اللہ کے دین کی وجہ سے تکلیفیں دی گئیں ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کر کے ان کی مشکلات ختم کر دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور ان کی مشکلات کو ختم کر دیا، اور ان کا ساتھ دے رہا تھا، دنیا کا کوئی مقصد پیشِ نظر کارفرما نہ تھا جو کوئی بھی ایسی بات کرتا ہے وہ غلط سوچ اور نظریہ کا حامل ہے کہ جس کو اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں محبت کرنے والے تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وصف جمیل یہ بھی تھا کہ وہ آپس میں انتہائی محبت کرنے والے تھے۔ جس کی تفصیل ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی محبت کے ضمن میں بیان کر دی ہے۔ یہ آیات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں محبت پر دلالت کرتی ہیں جو کہ خاص اللہ کے فضل کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾ (آل عمران : ١٠٣)

''اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، تو اس نے تمہیں بچالیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔''

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الانفال : ٦٢،٦٣)

''اللہ وہی تو ہے کہ جس نے تجھ کو اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ مضبوط کیا، اور ان (صحابہ) کے درمیان محبت پیدا کر دی، اگر آپ ساری کائنات کو بھی ان پر خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکتے تھے، لیکن اللہ نے (اپنے خاص فضل و رحمت سے) ان کے درمیان محبت پیدا کر دی، بلاشبہ وہ غالب و حکمت والا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافروں کے لیے سخت تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے آپس میں محبت کرنے والے تھے ویسے ہی اللہ کے دین کے دشمنوں سے نفرت کرنے والے تھے، جبکہ وہ دین اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہوں پھر ان کے دلوں میں کافروں کے لیے کوئی نرمی نہ تھی، چاہے کافر کوئی بھی ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

(المجادلہ : ۲۲)

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہر گز نہ پائیں گے، وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔ اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں، یہ اللہ کا لشکر ہے، آگاہ رہو، بے شک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

(الفتح : ۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں آپس

میں رحمدل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی صفت تو تورات میں ہے ان کی صفت انجیل میں ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اُسے مضبوط کیا، اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا، اور کسانوں کو خوش کرنے لگا، تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور شائستہ اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔''

عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ، جو مہاجرین وانصار میں سے ہیں ان کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ وہ کامل ترین صفات اور جلیل ترین اموال کے حامل ہیں، اور وہ کفار کے ساتھ بہت سخت ہیں فتح ونصرت میں جدوجہد اور اس بارے میں پوری کوشش کرنے والے ہیں، وہ کفار کے ساتھ صرف درشتی اور سختی سے پیش آتے ہیں۔ اس لیے اُن کے دشمن ان کے سامنے ذلیل ہو گئے ان کی طاقت ٹوٹ گئی، اور مسلمان اُن پر غالب آ گئے۔'' (تفسیر سعدی)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۝﴾

(الفتح : ۱۸)

''یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا، اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

مذکورہ آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے الحب فی اللہ والبغض فی اللہ والے عقیدہ کی وجہ سے ان کو اپنی رضامندی کی ضمانت بھی دے دی ہے۔ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ والوں سے لڑنے کا پروگرام بنایا۔ حالانکہ مکہ والے ان کے رشتہ دار تھے۔ لیکن دین کی راہ میں کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بلکہ جو دین کا دشمن ہے وہ ان کا دشمن ہے، اُن کا یہی کردار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی رضامندی کی ضمانت دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار نجات کے لیے معیار ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عظیم الشان و بے مثال گروہ کا نام ہے کہ جن کا ایک ایک کردار بے مثل و بے مثال ہے، ان کا ایمان، اللہ کا تقویٰ، ان کا ایثار و قربانی، الغرض کہ اُن کی ہر چیز قابل اتباع ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار کو کامیابی کا معیار قرار دیا ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ﴾ (البقرہ: ۱۳۷)

”اگر یہ لوگ تمہارے (صحابہ) کی طرح ایمان لے آئیں تو یہ ہدایت پا گئے۔ لیکن اگر ان کی مخالفت کریں گے تو برباد ہو جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

﴿ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾ (النساء: ۱۱۵)

”جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول کے خلاف کرے، اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود

متوجہ ہوا، اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''مومنین سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی مومن گروہ موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لیے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کا نام ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر وضلال ہی ہے۔'' (تفسیر احسن البیان)

غور فرمایئے ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مومن قرار دیا گیا ہے، اور ان کی اتباع کو کامیابی جبکہ ان کی مخالفت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے۔ ہم سب بھائیوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا کردار اپنائیں۔ اللہ ہمیں توفیق بخشے۔ آمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعا کرنے کا حکم:

قارئین محترم! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دینِ اسلام اپنی اصل شکل میں موجود ہے ، اگر ان کی قربانیاں نہ ہوتیں تو ہوسکتا تھا کہ آج ہم مسلمان ہی نہ ہوتے۔ اسلام کسی بھی مسلمان اور انسان کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ تو گویا ہمیں یہ کامیابی محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت، کوشش وکاوش اور قربانی سے ملی ہے جو کہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اس احسان کا تقاضہ ہے کہ ہمیں کم ازکم ان کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ۝﴾ (محمد: ۱۹)

''اے نبی! آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی۔ اللہ تم

لوگوں کی آمدورفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ ان صحابہ کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو کیونکہ مغفرت ہی کامیابی ہے اور دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات کا سبب ہے، دوسرے مقام پر مومنوں کی بھی صفت بیان کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

''کہ جو ان کے بعد آئے ہیں وہ تو دعائیں کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہمارے ساتھ بخش دے کہ جو ہم سے ایمان میں سبقت لے جاچکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ان کے لیے کوئی کینہ پیدا نہ کر کہ وہ ایمان لائے، بلاشبہ تو بڑا ہی نرم اور رحم کرنے والا ہے۔''

ان آیات میں ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اور اپنے گزرے ہوئے یعنی فوت شدہ بھائیوں کے لیے دعا کرنی چاہیے نا کہ ان کی برائیاں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ کی توفیق بخشے۔ ہمارے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے لبریز کر دے۔

آمین یارب العالمین



باب نمبر:۲

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

قارئین محترم! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت قرآن کریم کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ فرمائی، اب حدیث رسول ﷺ کی رُو سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ومقام ملاحظہ فرمائیں، رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی رُو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہترین لوگ ہیں۔ اوران کا زمانہ بھی بہترین زمانہ ہے۔ چنانچہ سیّدنا عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَیْرُ اُمَّتِی قَرْنِی، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ اِنَّ بَعْدَھُمْ قَوْمٌ یَّشْھَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْھَدُوْنَ، وَیَخُوْنُوْنَ وَلَا یُؤْتَمَنُوْنَ، وَیَنْذُوْرُوْن وَلَا یَفُوْنَ، وَیَظْھَرُ فِیْھِمُ السِّمَنُ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَیَحلِفُوْنَ وَلَا یُسْتَحْلَفُوْنَ.))[1]

''میرے دور کے لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) سب سے بہتر ہیں، اس کے بعد وہ لوگ جوان کے بعد آئیں گے۔ پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ ہوں گے کہ جو گواہی دیں گے، لیکن ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔ وہ خیانت کریں گے اور وہ امین نہیں ہوں گے۔ وہ نذر مانیں گے، لیکن انہیں پورا نہ کریں گے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ۳۶۵۰، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ٦٤٧٥

اور ان میں موٹاپا آجائے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے، وہ قسمیں اٹھائیں گے، حالانکہ ان سے قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے۔"

غور فرمائیں! کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے بہترین لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرار دیا ہے، کیونکہ انہوں نے شب و روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ سے تعلیم براہِ راست لی ہے جو کہ کامیابی اور اللہ کے فضل کا باعث ہے۔ اسی لیے رسول اللہ نے ان کو امت کے لیے کامیابی کا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ:

((رَفَعَ یَعْنِی النَّبِیُّ ﷺ رَأْسَهُ إِلَی السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِیْرًا مِمَّا یَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَی السَّمَاءِ، فَقَالَ: النُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَی السَّمَاءَ مَاتُوْعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِیْ، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَنَا أَتَی أَصْحَابِیْ مَایُوْعَدُوْنَ، وَأَصْحَابِیْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِیْ، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِیْ أَتَی أُمَّتِیْ مَایُوْعَدُوْنَ.)) [1]

"نبی ﷺ نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا، اور آپ ﷺ اکثر اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے، فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امن کی ضمانت ہیں۔ جب آسمان کے ستارے ٹوٹ جائیں گے تو آسمان کے لیے (پھٹ جانے کے) وعدے کا وقت آجائے گا، اور میں اپنے اصحاب کے لیے باعث امن ہوں۔ جب میں چلا جاؤں تو میرے اصحاب ان آزمائشوں سے دوچار ہوں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے صحابہ میری امت کے امن کا سبب ہیں۔ اور جب میرے صحابہ اٹھ جائیں گے تو میری امت بتائے گئے فتنوں سے دوچار ہوگی۔"

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ٦٤٦٦.

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس امت کے لیے امن و آتشی کا سبب قرار دیا ہے، جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود رہیں گے، اس امت میں امن رہے گا لیکن جب چلے جائیں گے تو امت فتنوں کا شکار ہوجائے گی۔ جو کہ ان کی کمزوری کی دلیل ہوگی، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی ان کی قوت و کامیابی کی ضمانت ہے، چنانچہ سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیَقُوْلُوْنَ: هَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ هَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَیُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ اَتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ، فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ: هَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ.)) [1]

”مسلمانوں پر ایسا وقت آئے گا کہ ان کا ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑائی لڑے گا۔ یہ جہاد کرنے والے پوچھیں گے کیا تم میں کوئی ایسا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے، ہاں، چنانچہ اس صحابی کی برکت سے ان کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر مسلمانوں پر ایسا وقت آ پڑے گا کہ ان کا ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑائی لڑے گا۔ پوچھا جائے گا، کیا تم میں کوئی ایسا ہے، جس کو اصحابِ رسول ﷺ کی محبت حاصل ہو (یعنی تابعی ہے)؟ وہ جواب دیں گے ہاں۔ تو ان کو فتح نصیب ہوجائے گی۔ پھر مسلمانوں پر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، رقم: ٣٦٤٩، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم: ٦٤٦٨.

ایک ایسا دور آئے گا کہ ان کی ایک جماعت جہاد فی سبیل اللہ کرے گی پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے، جس کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے (یعنی تابعی) کی صحبت میسر آئی ہو (یعنی تبع تابعی ہے)؟ بتایا جائے گا، ہاں، تو وہ بھی فتح یاب ہوں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر مبارک ہیں کہ ان کے وجود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مومنوں کو فتح نصیب فرماتا ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے بندوں کے حقوق کو اس طرح ادا کیا ہے کہ جس طرح ان کو ادا کرنے کا حق ہے۔ اسی وجہ سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل ترین گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے بھی انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک خاص مقام حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تین پشتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے، اور ان سے محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((لِلْاَنْـصَارِ لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُوْمِنٌ ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ .))[1]

''صرف ایمان والے ہی انصار سے محبت رکھتے ہیں، اور کسی منافق کے سوا کوئی اور ان سے بغض نہیں رکھتا۔ جو شخص ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے اور جو ان سے بغض رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے۔''

انصار سے محبت مومن کرتے ہیں، اور منافق انصار سے بغض کرتے ہیں، ان کی محبت کی وجہ سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اور جو ان سے نفرت کرے اللہ تعالیٰ ان سے نفرت کرتا ہے کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت کرتے ہیں، ان کے خلاف

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم : ۳۷۸۳.

گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔ یقیناً ان کے لیے دنیا و آخرت کی رسوائی ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت بخشی ہوئی ہے۔ چنانچہ سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ، وَلِاَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ، وَلِاَبْنَآءِ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ.)) ❶

''اے اللہ! انصار کی اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کی مغفرت فرما۔''

انصار کی تین پشتوں کے لیے دعائے مغفرت کی گئی ہے، اس سے ان کا مقام ومرتبہ واضح ہے۔ انصار ومہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل بدری صحابی ہیں، بدر والوں کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سب سے افضل ترین قرار دیا۔ چنانچہ سیّدنا رفاعہ بن رافع سے مروی ہے کہ:

((جَاءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا تَعُدُّوْنَ اَهْلَ بَدْرٍ فِيْكُمْ؟ قَالَ: مِنْ اَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا قَالَ وَكَذَالِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ.)) ❷

''جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بدر کے بارے میں کیا گمان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ تمام مسلمانوں سے افضل ہیں، یا اسی طرح کی بات فرمائی۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اس طرح بدر میں شامل ہونے والے فرشتے بھی افضل ہیں۔''

اس گروہ کے بعد افضل ترین گروہ صلح حدیبیہ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ چنانچہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم : ٦٤١٦.

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم : ٣٩٩٢.

((قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ اَلْفًا وَّاَرْبَعَ مِائَةٍ ، قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ .)) [1]

''حدیبیہ کے دن ہم ایک ہزار چار سو تھے، ہمارے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، آج کے دن تم سارے زمین والوں سے بہتر ہو۔''

اس حدیث سے حدیبیہ والوں کی فضیلت واضح ہے۔



[1] صحيح بخاری، كتاب المغازی، رقم : ٤١٥٤، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، رقم : ٤٨١١ .

باب نمبر:۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت توراۃ وانجیل میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

(التوبہ : ۱۱۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیں مومنوں سے ان کی جانیں اور مال اس کے بدلے ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑائی لڑتے ہیں، وہ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اللہ سے بڑھ کر کون اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ تو تم اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو سودا تم نے اس سے کیا ہے۔ اور یہ عظیم کامیابی ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ

عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(الفتح: ۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت، اور آپس میں بڑے ہی رحمدل ہیں، تو ان کو رکوع اور سجدے کی حالت میں دیکھے گا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشانات سے واضح ہے، یہ ان کی صفت تورات میں مذکور ہے اور ان کی یہ صفت انجیل میں بھی ہے، جیسے ایک کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی اور پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی۔ پھر وہ اپنی نالی پر کھڑی ہوگئی۔ ان کسانوں کو وہ اچھی لگتی ہے تاکہ ان کافروں کو غصہ دلائے (کہ جو ان سے جلتے ہیں) اللہ نے وعدہ کیا، ان سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیئے، مغفرت اور اجر عظیم کا۔''

قارئین محترم! مذکورہ دونوں آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصافِ حمیدہ کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑائی کرنے والے ہیں۔ دشمن جب مقابلہ پہ آجائے تو سختی کرنے والے ہیں۔ اپنی جان و مال کی قربانی کرنے والے ہیں، کثرت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں تو ان کو رکوع اور سجود کی ہی حالت میں دیکھو، اس وجہ سے ان کے چہرے چمک رہے ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ اور رب تعالیٰ نے انہی اوصاف پر توراۃ اور انجیل کو بھی گواہ بنایا ہے کہ یہی صفات عالیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توراۃ وانجیل میں بیان ہیں۔

چنانچہ دیکھنا چاہیے کہ توراۃ اور انجیل ان نفوس مقدسہ کے لیے کیا کہتی ہے۔ وہ تحریف شدہ توراۃ کہ جو آج یہود کے پاس ہے، وہ مسلمانوں کی صفات ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے آون پر طلوع ہوا، فاران کے ہی پہاڑ سے وہ

جلوہ گر ہوا، اور دس ہزار قدوسیوں کیساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔'' (کتاب استثناء، باب ۳۳، فقرہ ۲،۱)

یہ عبارت فتح مکہ اور دخول مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس روز رسول اللہ ﷺ فتح کر کے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے، آپ کے ساتھ (۱۰،۰۰۰) صحابی تھے۔ جن کو تورات میں (۱۰،۰۰۰) دس ہزار قدوسی، یعنی ''پاک لوگ'' کہا گیا ہے۔ اسی تمثیل کی طرف اشارہ ہے۔

انجیل میں یہ تمثیل ان لفظوں میں ملتی ہے۔ ''اس (مسیحا) نے ایک اور تمثیل ان (لوگوں) کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بودیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے، مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوجاتا ہے۔ اور ایسا درخت ہوجاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرہ کرتے ہیں۔'' (انجیل متی، باب ۱۳، فقرہ ۳۱، ۳۲)

انجیل مرقس میں اس تمثیل کے الفاظ یہ ہیں:

''وہ (مسیح) تمثیلوں میں بہت باتیں سکھانے لگا، اور اپنی تعلیم میں ان سے کہا سنو! ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے پہ گرا اور پرندوں نے آ کر اسے چگ لیا، اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا، اور جب سورج نکلا تو جل گیا، اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا، اور کچھ جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبالیا، اور وہ پھل نہ لایا اور کچھ اچھی زمین پر گرا، اور وہ اگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس (۳۰) گنا کوئی ساٹھ (۶۰) گنا اور کوئی سو (۱۰۰) گنا پھل لایا، پھر اس نے کہا جس کے کان ہوں وہ سن لے۔'' (انجیل مرقس، باب ۴، فقرہ ۳، ۹)

اور انجیل لوقا میں ہے:

''پس وہ (مسیح) کہنے لگا اللہ کی بادشاہت کس کی مانند ہے، میں اس کو کس سے

تشبیہ دوں وہ رائی کے دانے کی مانند ہے، جس کو ایک آدمی نے لے کر اپنے باغ میں ڈال دیا وہ اگ کر بڑا درخت ہو گیا، اور ہوا کے پرندوں نے اس کی ڈالیوں پر بسیرہ کیا اس نے پھر کہا میں اللہ کی بادشاہت سے تشبیہ دوں وہ خمیر کی مانند ہے، جس کو ایک عورت نے لے کر ۳ پیمانے آٹے میں ملا دیا، اور ہوتے ہوتے سب خمیرہ ہو گیا۔'' (لوقا باب ۱۳، فقرہ ۱۸، ۲۱، مطبوعہ لودھانہ ۱۹۱۶ء)

تشریح :......انجیلی اور مسیحی محاورے میں خدائی بادشاہت سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں حب رضائے الٰہی کے مطابق لوگ کام کریں، اور نجاتِ آخری کے مستحق ہوں، چنانچہ سیّدنا مسیح علیہ السلام کا قول اس اصطلاح کے موافق انجیل میں یوں ملتا ہے:

''اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریصوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔'' (انجیل متی، باب ۵، فقرہ: ۲۰)

چونکہ سیّدنا مسیح کو یہ بتانا منظور رہے کہ زمانہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پسندیدہ اور اس زمانے کے لوگ اللہ کے برگزیدہ ہوں گے، اس لیے انہوں نے اسی زمانے کو اللہ کی بادشاہت کے نام سے موسوم کر کے سمجھایا۔ قرآن مجید میں انہی مقامات کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم منہ)

سیّدنا وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے زبور میں سیّدنا داؤد علیہ السلام کو یہ وحی فرمائی کہ تمہارے بعد عنقریب ایک نبی آئے گا، جس کا نام ''احمد'' اور ''محمد'' ہو گا۔ اور وہ سچے اور سردار ہوں گے، میں ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا، اور نہ وہ مجھے کبھی ناراض کریں گے اور میں نے ان کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں کرنے سے پہلے ہی معاف کر دی ہیں۔ اور آپ کی امت میری رحمت سے نوازی ہوئی ہے۔ (البدایہ ۲/ ۳۲۶)

میں نے ان کو وہ نوافل عطا کیے ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کیے اور ان پر وہ چیز فرض کی جو انبیاء علیہم السلام اور رسولوں پر فرض کی۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء علیہم السلام کے نور جیسا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا کہ اے داؤد! میں

نے محمد ﷺ کو اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سیّدنا کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کی امت کی صفات بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات میں ان کی یہ صفات پاتا ہوں کہ احمد اور ان کی امت اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف کرنے والی ہے۔ اچھے برے ہر حال میں ''الحمدللہ'' کہیں گے، اور چڑھائی پر چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہیں گے، اور نیچے اترتے ہوئے ''سبحان اللہ'' کہیں گے۔ ان کی اذان آسمانی فضا میں گونجے گی وہ نماز میں ایسی دھیمی آواز سے اپنے رب سے ہم کلام ہوں گے جیسے چٹان پر شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، اور فرشتوں کی صفوں کی طرح ان کی نماز باجماعت میں صفیں ہوں گی، اور نماز کی صفوں کی طرح ان کی میدان جنگ میں صفیں ہوں گی اور جب وہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے چلیں گے تو مضبوط نیزے لے کر فرشتے ان کے آگے اور پیچھے ہوں گے اور جب وہ اللہ کے راستے میں صف بنا کر کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے سایہ کیے ہوئے ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتلایا جیسا کہ گدھ اپنے گھونسلے پر سایہ کرتے ہیں، اور میدان جنگ سے یہ لوگ کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ سیّدنا کعب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح ایک روایت منقول ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنے والی ہوگی۔

ہر حال میں ''الحمدللہ'' کہیں گے اور چڑھائی چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہیں گے (اپنی نمازوں کے اوقات کے لیے) سورج کا خیال رکھیں گے، اور پانچوں نمازیں اپنے وقت پر پڑھیں گے اگرچہ کوڑے کرکٹ والی جگہ پر ہوں کمر کے درمیان میں لنگی باندھیں گے، اور وضو میں اپنے اعضاء دھوئیں گے۔ [1]



[1] حلیة: ٣٨٦/٦ وعن ابی کعب مطولا ایضًا.

باب نمبر:۴

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں محبت

قارئین کرام ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ساتھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے یقینی بات یہ ہے کہ وہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم ہر حیثیت سے منفرد و بے مثال ہیں۔ اگر ہم ان کی مثال ونظیر تلاش کرنے نکلیں تو حقیقت یہی ہے کہ ہمیں بے پناہ محنت اور کوشش کے باوجود ان کی مثال اور نظیر نہ مل سکے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور نصرت کے لیے منتخب کیا تھا۔ اسی لیے ان کو ایسی صلاحیتیں حوصلے، استقامت، اخلاص، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تقویٰ عطا فرمایا کہ جو کائنات میں کسی کو بھی نہ دیا۔ اسی لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

((من كان مستنا فَلْيَسْتَنَّ بمن قدمات ، فإنَّ الْحيَّ لاتؤمن عليه الفتنة . اولئك اصحاب محمد ﷺ كانوا افضلَ هذه الامة ، ابرَّها قلوبا ، واعمَقَهَاعلماً ، واقلها تكلفا ، اختارهم الله لصحبة نبيه ، ولا قامة دينه ، فاعرفوالهم فضلهم ، واتَّبعوهم على آثارهم ، وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم ، فانهم كانوا على الهدى المستقيم .))[1]

”کہ جو کوئی تم میں سے کسی کے راستے کو اپنانا چاہتا ہے۔ تو وہ ان کے راستے کو اپنائے جو کہ فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے کہ زندہ افراد فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ یہ

[1] مشكوة، كتاب الايمان، رقم : ١٩٣.

جو محمد ﷺ کے ساتھی ہیں۔ اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں، دل کے اعتبار سے نیک ترین ،علم کے اعتبار سے انتہائی بڑے تھے، اور انتہائی کم تکلّفات میں پڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے پسند کیا تھا۔ تم ان کی فضلیت کو پہچانو۔ اور ان کے طریقہ کی پیروی کرو۔ اور جس قدر طاقت ہو تم ان کے اخلاق اور سیرتوں کو اختیار کرو۔ اس لیے کہ وہ سیدھے راستہ پر تھے۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ خبر دی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم با کمال لوگ ہیں۔ جن میں ہر قسم کا کمال پایا جاتا ہے۔ اگر ان کے ایمان کو دیکھو گے تو ان جیسا ایمان کسی کا نظر نہ آئے گا۔ اگر ان کی اطاعت و وفاء شعاری پر غور کرو گے تو ایسا لگتا ہے کہ شاید رب نے ان کے دلوں سے جذباتِ انسانی کو نکال کر رکھ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کرنا تو دور کی بات ہے، مخالفت کی سوچ بھی اپنے قریب نہیں آنے دیتے۔

اور اگر ان کی غیرتِ ایمان کو دیکھو گے تو اس راہ میں انہوں نے کبھی بھی کسی رشتے اور ناطے کو رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ بلکہ جو بھی اسلام اور رسول ہاشمی ﷺ کا دشمن تھا، چاہے وہ کوئی عزیز رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ مقابلہ پر آ گیا ہے تو پھر ان پر رشتوں کی محبت ، علاقوں اور قومیت کی محبت غالب نہ آئی ۔ بلکہ دینی غیرت نے تمام قسم کی محبتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا۔ اور دین کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پاش پاش کر دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے اس کا نام ونشان تک مٹا ڈالا۔

چنانچہ جنگِ بدر کو دیکھ لیجیے۔ جو ہمارے مذکورہ دعوے پر شاہد عدل ہے ۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں کو اپنی تلوار سے کاٹا۔ اور سیّدنا ضریقہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے اپنے کافر باپ کا سر اس کے تن سے جدا کیا۔ اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو جو کہ کافر تھا۔ اس کو قتل کرنے کے ارادے کا اظہار فرمایا۔ (ابن کثیر)

ذرا غور فرمائیں! کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم دین کے معاملہ میں کسی بھی قسم کی نرمی کو قریب نہ آنے دیتے تھے۔ بلکہ جو بھی مخالفت پہ اتر آتا۔ چاہے وہ باپ، بیٹا، بھائی یا کوئی اور عزیز ہی کیوں نہ ہو تو پھر وہ ان رشتوں کو نہ دیکھتے تھے۔

لیکن قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس قدر دین کے دشمنوں کے لیے سخت تھے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ بالکل اسی طرح وہ دینداروں سے بھی انتہائی محبت کرتے تھے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ کسی ہی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔ غریب ہو یا امیر۔ قطع نظر اس بات کے۔ بس دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ اس وصف میں بھی صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو محبت ومودت کا سبق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ جو کہ خود سب سے زیادہ اپنے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے والے تھے اور اپنی امت کا بہت ہی زیادہ خیال کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا .)) [1]

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہی ہے جیسے عمارت کے اجزاء ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہیں۔"

اس امت میں اس حدیث کے مصداق سب سے زیادہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات، احادیث اور تاریخ میں صحابہ کی آپس میں محبت، الفت اور شفقت کی مثالیں بھری پڑی ہیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تزکیہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهْرِ

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصله، رقم : ٦٥٨٥.

وَالْحُمّٰی .)) [1]

''مومن ایک دوسرے پر رحمت، مہربانی اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں اگر بدن کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کی بنا پر بیدار رہتا اور تپ زدہ ہوجاتا ہے۔''

ان فرامین کا صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم پر یہ اثر تھا کہ وہ آپس میں انتہائی مشفق و مہربان تھے۔ جس کا اظہار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بھی اپنے کلام پاک میں کرنا پڑا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۝﴾ (الفتح : ۲۹)

''کہ جو اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں یہ تو کافروں پر سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں۔''

یہ محبت والفت خاص اللہ کا فضل ہے، صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم پر جو خالصتاً ان کو اللہ کے دین کی وجہ سے حاصل ہوا۔ وگرنہ یہ وہی لوگ تھے کہ جن کے بیچ برسوں سے دشمنیاں چلی آرہی تھیں، کئی نسلیں ان دشمنیوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں، اور قریب قریب میں کوئی مصالحت کی کرن بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ یہ اللہ کا خاص فضل واحسان اس دین کی شکل میں ہوا کہ جس کی وجہ سے جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، آج وہی لوگ آپس میں انتہائی محبت کرنے والے اور ایک دوسرے پر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے بن گئے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس احسان کا ذکر ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۝﴾ (آل عمران : ۱۰۳)

''تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں محبت پیدا کر دی، اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الأدب، رقم : ۶۰۱۱، صحیح مسلم، کتاب البر والصله، رقم: ۶۵۸۶.

اس مفہوم کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡۤا اَنۡ یَّخۡدَعُوۡکَ فَاِنَّ حَسۡبَکَ اللّٰہُ ؕ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۝﴾ (الانفال : ٦٢،٦٣)

''کہ اللہ تو وہ ہے کہ جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ ساتھ تجھے (اے محمد ﷺ) مضبوط کیا۔اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اگر آپ ساری کائنات کو بھی خرچ کر دیتے تو بھی ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنے خاص فضل سے) ان کے درمیان محبت پیدا کر دی۔ بلاشبہ وہ غالب اور خوب حکمت والا ہے۔''

غور فرمائیں! کہ یہ محبت والفت بس دین اسلام کی وجہ سے تھی۔اور یہ دین اسلام کی ہی محبت ومودت کا ذریعہ بنا۔اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ جو ان صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے دلوں سے پرانے بغض وعداوت کو نکال سکتی۔ یہاں تک کہ اگر ان کے دروازوں پر مال ودولت کے بھی انبار لگا دیے جاتے،تو بھی ممکن نہ تھا کہ یہ آپس کی دشمنیاں ختم کر لیتے۔بس یہ دین کی ہی نعمت تھی۔ کہ جس نے ان کو آپس میں شیر وشکر کر دیا تھا۔اور آپس میں ایک لڑی کے دانوں کی طرح اکٹھا کر دیا تھا اور ایک دوسرے کا ہمدرد ومہربان بنا دیا تھا۔جس کی وجہ سے ایک سے نفرت کرنا تو دور کی بات معمولی ناراضگی بھی برداشت نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور ان کو سلام کیا،لیکن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے نہ خیال کر سکے کہ کسی نے سلام کیا ہے۔لہٰذا اس کو سلام کا جواب دیا جائے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھے کہ شاید سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے ناراض ہیں کہ

اس نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہ سوچ کر امیر المؤمنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہنے لگے کہ شاید میرا بھائی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے ناراض ہے۔آپ چل کر ہمارے درمیان صلح کروادو۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔سلام کیا اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا! عثمان کیا بات ہے؟ کہ تم نے عمر کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ سیّدنا عثمان کہنے لگے: مجھے کسی نے سلام نہیں کیا اور نہ ہی کوئی یہاں سے گزرا ہے۔فرمایا: عمر کہہ رہے ہیں کہ میں نے آپ کو سلام بھی کیا اور یہاں سے گزرا بھی ہوں۔لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔مگر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

پوچھا: عثمان رضی اللہ عنہ آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہاں بیٹھا یہ سوچ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ میں یہ نہ پوچھ سکا کہ اُخروی کامیابی کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ اس بارے میں پریشان بیٹھا ہوں۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہی سوال پوچھا تھا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ وہ کلمہ کہ جس کو میں نے اپنے چچا ابوطالب پر پیش کیا تھا تو اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ ہی کلمہ اس کے لیے نجات تھا۔ [1]

غور فرمایئے ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی محبت کی کہ ایک سلام کا جواب نہیں ملا تو پریشان ہو گئے۔ حالانکہ یہ وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کے بارے میں مشہور تھا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ اگر کوئی سخت ہے تو وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہی عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں کے لیے کس قدر نرم ہیں۔ کہ ایک سلام کا جواب نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہو جاتے

---

[1] مسند احمد ۱/۶، رقم: ۲۰، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإیمان رقم: ٤١. شیخ شعیب الارناؤط نے اسے شواہد کی بنا پر ''صحیح'' کہا ہے۔

ہیں، اور وقت کے خلیفہکو مصالحت کے لیے لے آتے ہیں۔ یہ ہے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت، سچ کہا کسی شاعر نے کہ!

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صفت میں بھی ممتاز ہیں۔ ایک دوسرے سے انتہائی محبت کرنے والے تھے۔ اگرچہ بعض وجوہات کی وجہ سے جو کہ اجتہادی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منافقین کی وجہ سے تنازعات واختلافات بھی پیدا ہوئے کہ جن کی وجہ سے لڑائی جھگڑوں تک نوبت آگئی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کو کافر نہ بنایا، ایک دوسرے سے نفرت نہ کی، ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جیسا کہ آج بعض قسم کے جاہل خطبا نے تاریخ کی جھوٹی روایات کا سہارا لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نفرت وعداوت کی خلیج پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں آپس میں شدید ترین نفرت وعداوت تھی، ایک دوسرے کا نام تک سننا گوارہ نہ کرتے تھے۔

قرآن وحدیث کے دلائل ہم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر رہے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں محبت کرنے، شفقت ورحمت اور ہمدردی وغمخواری کرنے والے تھے، ایک دوسرے کا لحاظ وخیال کرنے والے تھے۔

جبکہ تاریخ کی جھوٹی روایات ہم پر ان کی نفرت وعداوت اور دشمنی ومخالفت کو آشکارا کر رہی ہیں۔ تو فیصلہ ہمیں خود کر لینا چاہیے کہ قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، یہ سچ اور صحیح بات کرنے والے ہیں، یا تاریخ کی جھوٹی اور من گھڑت روایات کہ جن کی کوئی اصل ہے ہی نہیں۔ وہ سچ ہیں؟ یقیناً اہل ایمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ہی حق جانتے ہیں، کیونکہ ان سے سچا کلام کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ جھوٹی روایات کہ جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دشمنی ثابت ہوتی ہے اس لیے بھی رد کرنے کے

قابل ہیں کہ تاریخ کی دوسری اور صحیح روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی بھی حال میں ایک دوسرے سے دلی نفرت کبھی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے اچھے کلمات اور جذبات کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ایک موقعہ پر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! اس سے مجھے معاف فرمائیے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا۔ضرار بولے اگر اصرار ہے تو پھر سنیئے۔ وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے بہت زیادہ غور وفکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہمارے ساتھ بالکل ہماری طرح رہتے تھے جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم! ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص وطمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف نا امید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں، اور کہتے کہ اے دنیا! مجھ کو فریب نہ دے، تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے، اور مجھ سے شوق رکھتی ہے۔ حالانکہ میں تجھ کو تین طلاق دے چکا ہوں کہ جس میں کبھی رجوع نہیں ہوسکتا۔ تیری عمر کم ہے، اور تیرا مقصد بھی حقیر ہے۔ ہائے افسوس! زادراہ (سفر خرچ) کم ہے اور

سفر بہت دور کا ہے۔ جبکہ راستہ بھی بڑا خطرناک ہے۔ [1]

یہ گفتگو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سن کر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے، اور کہنے لگے: اللہ ابوالحسن پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی عظیم انسان تھے۔ [2]

مذکورہ واقعات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے سے ہمدردی اور ایک تعلق خاص ظاہر ہورہا ہے، اور ایسا ہونا بھی چاہیے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایسی ہی تربیت کی تھی جس کی وجہ سے محبت ہمدردی اور ایثار ان کی پہچان بن چکی تھی۔ اُس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کے طوالت کے سبب صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے، چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں سخت حاجت مند ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو پیغام بھجوایا۔ اس نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میرے پاس ماسوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیوی کی طرف پیغام بھجوایا تو اس کا بھی وہی جواب تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اسے جو کوئی اپنے ہاں مہمان ٹھہرائے گا فرمایا، اس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا۔ انصار میں سے سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں (اسے اپنے ہاں) مہمان ٹھہراؤں گا۔ چنانچہ وہ اس کو لے کر اپنے گھر گئے اور بیوی سے پوچھا، کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا کچھ نہیں۔ سوائے بچوں کے کھانے کے۔ سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیوی سے فرمایا ان کو کسی چیز سے بہلا کر سلا دو۔ پھر جب ہمارا مہمان آئے تو ایسا کرنا کہ وہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں، اور جب وہ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اٹھ کر چراغ کو درست کرنے کے بہانے بجھا دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور مہمان نے کھانا کھا لیا۔ اور انہوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح کے وقت وہ

---

[1] كنز العمال، ص: ٤١٠. [2] روضة النضرة: ٢١٢/٢.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں عورت سے خوش ہو گیا۔ (یا فرمایا اللہ تعالیٰ مسکرایا ہے اور ایک روایت میں اسی طرح آیا ہے، لیکن اس میں سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا گیا اور اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر : ۹)

''وہ اپنی بجائے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں، اگر چہ وہ خود ضرورت مند ہوں۔'' [1]

غور فرمایئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار کا کہ خود اور اپنے بیوی بچوں کو بھوکا سلا دیا، لیکن دوسروں کا پیٹ بھر دیا۔ یہ معمولی سی قربانی ہے۔ وہ لوگ بڑی سے بڑی قربانی بھی دوسروں کے لیے دے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ یرموک میں ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں زخمی لوگوں میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کر رہا تھا کہ اگر زندہ ہو تو پانی پلا دوں۔ میں نے اپنے بھائی کو تلاش کر لیا اور جب میں ان کے منہ میں پانی ڈالنے لگا تو قریب سے ایک زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میرے بھائی نے کہا کہ پہلے پانی اسے پلا دو، میں پانی لے کر اس کی طرف پہنچا اور منہ میں پانی ڈالنے ہی والا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ اس بھائی نے کہا کہ بھائی پہلے اس کراہنے والے کو پانی پلا دو، چنانچہ میں پانی لے کر اس کی طرف پہنچا، ابھی میں حلق میں پانی ڈالنے بھی نہ پایا تھا کہ اُس نے دم توڑ دیا۔ میں جلد ہی واپس پلٹا، لیکن کیا دیکھا کہ دوسرے صاحب بھی دم توڑ چکے تھے، میں گھبرا کر اپنے چچا زاد بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ [2]

اس سے بڑھ کر بھی کوئی ایثار کا نمونہ ہو سکتا ہے کہ موت و حیات کی کشمکش میں بھی دوسروں کا خیال کیا جا رہا ہے۔ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ اگر یہ سب کچھ محبت نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے؟ یقیناً یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے ہی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی کو

---

[1] صحيح بخاري، كتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۷۹۸، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، رقم: ۵۳۵۹.

[2] حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درخشاں پہلو

کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے محبوب کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے جان و مال کو قربان کر دیا تھا۔ یہی محبت ہے کہ جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا سب کچھ دوسروں پر قربان کرنے کی ہمت و طاقت عطا فرمائی۔

سیّدنا جعفر بن عبداللہ بن اسلم ھمدانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دن مسلمانوں میں سب سے پہلے سیّدنا ابو عقیل انیفی رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے ان کو تیر کندھوں اور دل کے درمیان لگا تھا جو لگ کر ٹیڑھا ہو گیا، جس سے شہید نہ ہوئے۔ پھر وہ تیر نکالا گیا اور ان کی بائیں جانب اس تیر کے لگنے کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی یہ شروع دن کی بات ہے، پھر انہیں اٹھا کر ان کے خیمے میں لایا گیا۔ جب لڑائی گھمسان کی ہونے لگی اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی قیام گاہوں سے بھی گزر گئے، اور سیّدنا ابو عقیل اپنے زخم کی وجہ سے کمزور پڑے ہوئے تھے انہوں نے سیّدنا معن بن عدی رضی اللہ عنہ کی آواز سنی وہ انصار کو بلند آواز سے لڑنے کے لیے ابھار رہے تھے کہ اللہ پر بھروسہ کرو، اور اپنے دشمن پر دوبارہ حملہ کرو اور معن رضی اللہ عنہ لوگوں کے آگے آگے تیزی سے چل رہے تھے یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ انصار کہہ رہے تھے کہ ہم انصار کو دوسروں سے الگ کردو۔ چنانچہ ایک ایک کر کے انصار ایک طرف جمع ہو گئے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر سیّدنا ابو عقیل رضی اللہ عنہما انصار کے پاس جانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا اے ابو عقیل رضی اللہ عنہما آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ میں لڑنے کی طاقت تو ہے نہیں، انہوں نے کہا کہ اس منادی نے میرا نام لے کر آواز لگائی ہے، میں نے کہا وہ تو کہہ رہا ہے اے انصار! لڑنے کے لیے واپس آؤ وہ زخمیوں کو واپس بلانا نہیں چاہتا ہے (وہ تو ان لوگوں کو بلا رہا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں)

اس واقعہ سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایثار و ہمدردی واضح ہے۔ کیونکہ بغیر محبت کے قربانی کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ قربانی ہوتی ہی محبت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایک دوسرے سے ایسی ہی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

باب نمبر:۵

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اہل بیت سے محبت

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں ہم نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بے پناہ محبت کرنے والے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ آپس میں محبت ایمان ہے، اور ایمان کے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مطمع نظر صرف اور صرف آخرت کی کامیابی تھی۔ اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اس محبت کی راہ میں انہوں نے کسی بھی بت کو حائل نہیں ہونے دیا۔ چاہے وہ بت قومیت کا ہو چاہے وطنیت کا، لسانیت کا ہو یا رنگ ونسل کا ہر بت کو انہوں نے آپس کی محبت کے لیے توڑ ڈالا اور مذکورہ کسی بھی چیز کو انہوں نے محبت کے لیے معیار مقرر نہ کیا۔ بلکہ آپس میں محبت محض اللہ کی رضا کے لیے کی جو کہ ان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا سبب بنی۔ کیونکہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے کہ تم آپس میں پیار ومحبت سے رہو۔

لہٰذا انہوں نے بغیر کسی لالچ اور حرص کے ایک دوسرے سے محبت کی۔ یہ محبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عموماً موجود تھی، لیکن یہ محبت اہل بیت کے ساتھ اپنی آخری حد کو چھوتی تھی۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اہل بیت سے محبت ضروری ہے، بلکہ ایمان ہے اور اس پر مزید اضافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

((أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِى أَهْلِ بَيْتِىْ ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِى أَهْلِ بَيْتِىْ .)) [1]

"کہ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم : ٦٢٢٥.

اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔''

یعنی میرے اہل بیت کا تم ہمیشہ خیال رکھنا اور ان کے حقوق کے متعلق خاص طور پر اللہ سے ڈرنا۔ آپ ﷺ کے اہل بیت سے محبت محض اس لیے بھی ضروری ہے بلکہ ایمان ہے کہ وہ آپ ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ صراحت اس وقت ارشاد فرمائی تھی کہ جب آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ سے بعض قریشیوں کی بنو ہاشم کے ساتھ سرد مہری کی شکایت کی تھی کہ قریشی بنو ہاشم سے تنگ دل سے لگتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک بنو ہاشم جو کہ میرے رشتہ دار ہیں۔ ان سے محبت نہ ہوگی ایمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں اور افضل ترین لوگ ہیں آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ کنانہ کو اولاد اسماعیل علیہ السلام سے منتخب فرمایا ہے اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا ہے۔ یعنی اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سب سے افضل ترین اگر کوئی لوگ ہیں تو وہ بنو ہاشم ہیں یقیناً یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ کے محبوب اور لاڈلے ہیں۔ اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ اہل بیت سے محبت کی جائے ۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت سے خاص طور پر محبت کرتے تھے۔ ان کا خیال کیا کرتے تھے، اور ان کی دلجوئی کیا کرتے تھے، اور خوش رکھتے تھے اور ان کو عزت وشرف کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب عم رسول ﷺ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو دیکھتے تو ادب واحترام کی وجہ سے اپنی سواریوں سے نیچے اتر جاتے تھے۔ بلکہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ اپنے دور اقتدار میں سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعا کروایا کرتے تھے یہ ایک شرف تھا جو کہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کو دیتے تھے، اور اللہ ان کے اس شرف کی لاج رکھتے ہوئے ان کی دُعا بھی قبول فرمالیتا تھا، اس طرح جب آپ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عطیات مقرر کیے تو اپنے سیکرٹری سے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول کریم ﷺ کے خاندان کے افراد کے نام لکھو، اور ان میں آپ کی بیویوں کے بعد بنی

عبد مناف کے نام لکھو، اور ان میں سے پہلے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور پھر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام لکھو۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ ہزار (۵۰۰۰) سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے چار ہزار (۴۰۰۰) اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار (۳۰۰۰) دینار مقرر کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہاشمی کو کمسنی کے باوجود کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں جگہ دیا کرتے تھے، اور ان کے علم و فضل سے مستفید ہوا کرتے تھے۔

تاریخ یعقوبی (۲/۱۱۷) میں ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، سبطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ان سے خوش طبعی کرتے اور فرماتے:

((بأبيي ، شبيهٌ بالنبيي ، غير شبيهٍ بعليي .))

''میرا باپ فدا ہو، یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہے۔''

یہ روایت بخاری شریف میں بھی ہے۔ سیّدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((صَلَّى أَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي وَمَعَهُ عَلِي فَرَأَى الْحَسْنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ وَقَالَ بِأَبِي شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِي ، وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ .))[1]

''سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے ۔ انہوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور فرمایا، میرا باپ تم پر قربان! تمہاری مشابہت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے نہیں۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔''

نیز سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، رقم : ۳۵۴۲.

((لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَقَالَ فِي الْحُسَيْنِ أَيْضًا كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.)) [1]

''سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ اور کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے مشابہت نہیں رکھتا تھا، اس طرح سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتے ہیں۔''

چنانچہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ محمد ﷺ بھی انہی الفاظ سے اپنے پھول حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کو لوری دیا کرتی تھیں، اور جب آپ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئیں تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس ہی آپ کی تیمارداری کرتی رہیں، حتیٰ کہ انہوں نے ہی سیّدہ فاطمہ کو غسل دیا، اور آپ کے جنازے کے ساتھ گئیں۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب النبی رضی اللہ عنہم اجمعین اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عظمت کے پیش نظر، دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے اور ان کا حق پہچانتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا عبد الرحمٰن بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ قَالَ شُعْبَةُ أَحْسِبُهُ يَقْتُلُ الذُّبَابَ قَالَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُوْنِيْ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ ابْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا.)) [2]

''اس نے سنا، جب ایک شخص نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے محرم کے بارے میں دریافت کیا امام شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے اس نے پوچھا تھا کہ کیا وہ مکھی مار سکتا ہے؟ تو سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اہل عراق مجھ سے مکھی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل النبی ﷺ، رقم: ۳۷۵۲، ۳۷۴۸.

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل، اصحاب النبی ﷺ رقم: ۳۷۵۳.

کے مارنے میں دریافت کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے جگر کے گوشے کو شہید کر دیا، اور رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں نواسوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا دنیا میں یہ دونوں میرے پھول ہیں۔‘‘

جیسا کہ مذکورہ واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان پھولوں سے تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کرتے تھے، اور انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بھی متقدین کی طرح اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام کریں، اور برصغیر کے مصنوعی سادات کی بداعمالیوں کو اصلی سادات کے استخفاف کا ذریعہ نہ بنائیں، اور اس بات پر یقین رکھیں کہ حقیقی ساداتِ کرام واقعی اشراف، عقل منداور عزت دار اور طہارتِ قلبی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ وہ اُمت میں فساد نہیں ڈالتے، بلکہ پُر امن رکھنے کی تگ و دو کرتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہے کہ اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رحماءُ بینھم تھے تو پھر ان کی محبت کے پردے میں آج کل اتنا بڑا فساد کیوں ہو رہا ہے، اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کیوں کٹے جا رہے ہیں۔ آج امت مسلمہ کو اختلاف و انتشار کا شکار کیوں بنا رکھا ہے۔ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنیاد بنا کر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے وہ تو ایک دوسرے سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے فتنہ وفساد کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے پیار اور محبت کرنا چاہیے۔ تاکہ انہی سے سچی عقیدت واحترام اور پیار اور محبت والے جذبات کا اظہار کیا جائے اور جو جعلی اہل بیت بنے ہوئے ہیں ان سے بچا جائے۔

قارئین کرام! ہماری اب تک کی گزارشات سے یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت سے کتنی محبت کرتے تھے، اور ان کا کس قدر احترام کرتے تھے، اور عقیدت واحترام کا اظہار کرتے تھے۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں، اور اہل بیت کن کو کہا جاتا ہے تو سب سے پہلے ہم اہل بیت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن منظور نے لکھا ہے۔

((آلُ الرَّجُلِ أَهْلُهُ ، وَآلُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ : أَوْلِيَاءُهُ وَأَصْلُهَا أَهْلُ ثُمَّ أُبْدِلَتْ الْهَاءُ هَمْزَةً فَصَارَ فِي التَّقْدِيْرِ أَأْلُ فَلَمَّا تَوَالَتْ الْهَمْزَتَانِ أُبْدِلَتْ الثَّانِيَةُ اَلْفًا .))❶

''آل الرجل سے مراد اس کا اہل ہوتے ہیں، اور ''آل اللہ ورسولہ'' سے ان کے اولیاء مراد ہوتے ہیں۔ اصلاً یہ لفظ ''أھل'' ہے اس کی ہا کو الف سے بدل کر ''أأل'' بنایا گیا، پھر دونوں ہمزے اکٹھے ہو گئے تو دوسرے کو الف سے بدل دیا گیا، تو آل بن گیا۔''

البتہ یہ لفظ زیادہ تر معزز خاندانوں کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسے آلِ رسول ﷺ، آلِ علی، آلِ عباس وغیرہ۔

دورِ جاہلیت میں جب اہل البیت کہا جاتا تھا تو اس سے مراد بیت اللہ کے باشندے ہوتے تھے، لیکن اسلام میں اس سے مراد، رسول اکرم ﷺ کی آل ہے۔



❶ لسان العرب: ۳۱/۱۱.

باب نمبر:٦

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اہل بیت کی محبت

قارئین کرام! ہماری مذکورہ گزارشات سے آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت سے کتنی محبت کرتے تھے، اور کس قدر اہل بیت کے لیے اچھے جذبات رکھتے تھے۔ اب ذرا اہل بیت کی محبت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دیکھ لیجئے، تاکہ کوئی بدباطن یہ غلط بیانی نہ کرے کہ جی یہ لوگ تو اہل بیت سے محبت کرتے تھے، لیکن اہل بیت ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے دلوں میں ان کے لیے نفرت اور عداوت تھی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت کے دلوں میں کسی بھی صحابی کے خلاف نفرت اور عداوت نہ تھی۔ کیونکہ یہ چیز تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی اور اپنی جنت کے لیے پیدا کیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان سے کوئی ایسی بات یا چیز سرزد ہو جو کہ اہل جنت کی صفات کے منافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت نے محبت کی نا کہ نفرت کو ہوا دی۔ چنانچہ ہر وہ کام کیا کہ جس سے محبت کا اظہار ہوتا ہو اور نفرت کی جڑ کٹ جاتی ہو۔ مثلاً صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے لیے بہت ہی اچھے جذبات کا اظہار کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک ناموں پہ اپنے بچوں کے نام رکھنا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رشتہ داریاں قائم کرنا۔

مذکورہ چیزیں محبت کی بنیادیں ہیں کہ جن کی وجہ سے محبت پروان چڑھتی ہے، اہل بیت رضی اللہ عنہم نے یہ تمام بنیادیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جوڑیں، تاکہ محبت وانس اور عقیدت واحترام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے۔ اور بد باطن اور فتنہ پروروں کا فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ چنانچہ امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے کوفہ کی جامع مسجد میں

خطبہ ارشاد فرمایا، اوراس میں لوگوں کومخاطب کر کے پوچھا: اَیُّھَا النَّاسُ اَخْبِرُوْنِی مَنْ اَشْجَعُ النَّاسُ؟ ''لوگوں مجھے بتاؤ کہ سب سے بڑھ کر شجاع اور دلیر کون ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: اے امیر المومنین ! آپ ہی شجاع ترین انسان ہیں۔آپ نے فرمایا: جہاں تک میرا معاملہ ہے (اس میں اتنی حقیقت ہے کہ) میرا جس کسی دشمن سے مقابلہ ہوا، میں نے حساب برابر کردیا، لیکن تم مجھے ''اَشْجَعَ النَّاس'' کے متعلق بتاؤ کہ وہ کون ہے؟

حاضرین نے کہا: پھر ہم نہیں جانتے ، لہٰذا آپ ہی بتائیں کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ۔اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش کی گرفت سے چھڑانے کی پاداش میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے المناک انجام، اورآپ کے صبر واستقلال کا واقعہ سنایا، اور پھر اتنا روئے کہ آپ کی چادر تر ہونے لگی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کوفی سامعین سے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے بتاؤ:

''مومن آلِ فرعون بہتر تھا...... یا سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ؟

حاضرین کوئی جواب نہ دے سکے،تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم جواب کیوں نہیں دیتے، اللہ کی قسم! سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ گھڑی (جس میں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش سے چھڑانے کی پاداش میں خوفناک مار کھائی تھی) آلِ فرعون کے مومن سے بہتر ہے، کیونکہ وہ اپنا ایمان چھپائے پھرتا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کا اعلان کررہا تھا۔ (الکنز : رقم ۳۵۶۹۰) اوران کی خلافت کوشاندار خلافت قرار دیا۔

''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں: ''انہوں نے کجی کو سیدھا کیا یعنی جتنے فتنوں نے بھی سر اٹھایا ان کا استیصال کیا) اور بڑی کامیاب سیاست کی، سنت کو زندہ رکھا اور دین کے خلاف سازشوں کی سرکوبی کی، وہ دنیا سے پاک صاف ہوکر گئے، انھوں نے خیر کو حاصل کیا اور شر سے محفوظ رہے اور اللہ کی اطاعت اور تقویٰ کا حق ادا کیا۔''

علاوہ ازیں آپ کو اہل السنہ اور شیعہ کی کتابوں میں بہت سے واضح ارشادات ملیں گے کہ جن میں آپ رضی اللہ عنہ نے کھلے دل کے ساتھ جی بھر کر اپنے ساتھیوں کی فضیلت بیان کی ہے۔ چنانچہ کنز العمال (رقم:۳۶۰۹۶) میں ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازیبا الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

((وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لاَ یُحِبُّهُمَا إِلَّا مُؤْمِنٌ فَاضِلٌ ، وَلاَ یُبْغِضُهُمَا وَلاَ یُخَالِفُهُمَا إِلَّا شَقِیٌّ مَارِقٌ ، فَحُبُّهُمَا قُرْبَةٌ ، وَبُغْضُهُمَا مُرُوْقٌ ، مَابَالُ أَقْوَامٍ ، یَذْكُرُوْنَ اَخَوَی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَوَزِیْرَیْهِ وَصَاحِبَیْهِ وَسَیِّدَیْ قُرَیْشٍ وَأَبَوَی الْمُسْلِمِیْنَ؟ فَأَنَا بَرِیْئٌ مِمَّنْ یَذْكُرُهُمَا بِسُوْءٍ مُعَاقِبٌ .))

''اس ذات کی قسم جس نے دانے اور گٹھلی کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا! ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو فاضل مؤمن ہو گا، اور ان دونوں سے وہی بغض و عداوت رکھے گا جو بدبخت اور مارق (بدمذہب) ہوگا، کیونکہ ان دونوں کی محبت تقرب الٰہی کا سبب ہے، اور ان سے بغض ونفرت رکھنا دین سے خارج ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائیوں، اور دو وزیروں، اور دو ساتھیوں، اور قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کو نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں؟ میں ان لوگوں سے لاتعلق ہوں جو ان دونوں کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور اس پر انہیں سزا دوں گا۔''

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ شیخین سیّدنا ابوبکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام کے سرخیل اور سب سے افضل مسلمان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے جانشین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ رب کعبہ کی قسم! اسلام ان دونوں شخصیات کی عظمتوں کا معترف ہے انھوں نے اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی مشکل کو خندہ

پیشانی سے قبول کیا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور انھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔''

کلینی شیعہ راوی ابوبصیر سے روایت کرتا ہے، اس نے کہا:

''میں ایک دن امام صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی، اور بڑی فصیح و بلیغ گفتگو کی، اس نے دورانِ گفتگو امام علیہ السلام سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی پوچھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں چاہیے کہ ان دونوں سے (بغض و عداوت کی بجائے) محبت کرو۔ وہ عورت کہنے لگی: میں قیامت کے دن اپنے رب سے کہہ دوں کہ آپ نے مجھے ان کا احترام کرنے کا حکم دیا تھا؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں!

مشہور شیعہ علی بن عیسیٰ اربلی اپنی کتاب ''کشف الغمہ'' میں لکھتا ہے۔

''امام باقر علیہ السلام سے تلوار کے دستے کو مزین و آراستہ کرنے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جائز ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی تلوار کے دستے کو چاندی سے آراستہ کیا تھا۔

سائل نے کہا: آپ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کہتے ہیں؟

''فرمایا: ہاں وہ صدیق تھے! ہاں وہ صدیق تھے، جو آپ کو صدیق نہیں کہتا اللہ نہ دنیا میں اس کی کوئی بات سچی کرے، اور نہ آخرت میں۔''

قرآن مجید کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ (النساء: ۶۹)

اس آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صدیقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شہداء اور صالحین کا۔

ان تمام روایات سے جو کہ شیعہ حضرات کی کتابوں کی بھی ہیں سے واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اور ان کا از حد احترام کرتے تھے، بلکہ ان کو اپنے لیے بہترین نمونہ قرار دیتے تھے کیونکہ یہ افضل اور انتہائی بزرگی والے ہیں۔

❁ مزید برآں ''نہج البلاغة'' میں آپ رضی اللہ عنہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''میں نے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، میں تم میں کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھ رہا جو ان کے مشابہ ہو۔ وہ پراگندہ حالی میں صبح کرتے تھے، کیونکہ وہ قیام اور سجدوں میں رات بسر کرتے تھے۔ وہ (تھکاوٹ کی وجہ سے سجدوں میں) اپنی پیشانیوں اور رخساروں پر ٹیک لگا کر راحت حاصل کرتے تھے، اور یومِ حساب کو یاد کر کے یوں کھڑے ہوتے تھے، جیسے وہ انگاروں پر کھڑے ہوں اور طویل سجدوں کی وجہ سے گویا ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے جیسے نشان پڑ گئے تھے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑتے، یہاں تک کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے۔ وہ عذاب کے خوف اور ثواب کی اُمید کی وجہ سے یوں لرزتے، کانپتے جھک جاتے جیسے آندھی کے طوفان سے درخت جھک جاتے ہیں۔''

❁ اور جب سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف نکلے اور فرمایا:

((لِلّٰهِ دَرُ بَاكِيَةِ عُمَرَ! وَاعمراه! قُوْمُ الاودَ وَابرا العَمَد، وَاعُمَرَاهُ! مَاتَ نَقِيَّ الجَيْبِ، قَلِيْلَ الْعَيْبِ، وَاُعمراه! ذَهَبَ بِالسُّنَّةِ وَاَبْقَى الْفِتْنَةَ.)) [1]

''عمر رضی اللہ عنہ (کی خوبیوں کو یاد کر کے) رونے والی کا کمال، اللہ ہی کو زیبا ہے۔ آہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کس قدر غم ناک ہے! انہوں نے ٹیڑھ اور بگاڑ کو سیدھا

[1] البلاغة، ص: ۲۷۷ ،ص: ۱۸۵.

کر دیا اور بیماری کو تندرستی میں بدل دیا۔ آہ عمر کی شہادت کس قدر غمناک ہے! وہ اس حال میں فوت ہوئے کہ وہ صاف و شفاف لباس والے اور معمولی داغ والے تھے۔ آہ عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کس قدر اندوہناک ہے! وہ سنت لے گئے اور آزمائش چھوڑ گئے۔''

❀ امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جس قدر محبت تھی اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے رومیوں کے ساتھ جہاد میں اپنی شرکت کے متعلق مشورہ کیا، تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''آپ خود تشریف نہ لے جائیں، بلکہ کسی تجربہ کار شخص کی سپہ سالاری میں لشکر روانہ کر دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تو یہی آپ رضی اللہ عنہ کی خواہش ہے، اور اگر خدانخواستہ شکست ہوگئی تو آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے حوصلے کا باعث ہوگا۔ آپ کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو مسلمانوں کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہو۔''

اس سے بھی زیادہ وضاحت نہج البلاغہ کی اس نص میں ہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''مسلمانوں کی فتح و شکست قلت و کثرت میں نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ دینِ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا، اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ خود تشریف نہ لے جائیں، کیونکہ آپ کی حیثیت ہار کے اس دھاگے کی سی ہے جس میں موتیوں کو پرو دیا جاتا ہے۔ اگر دھاگہ ٹوٹ جائے تو موتی بکھر جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ کم ہے، مگر انھیں ایمان کی قوت ہی کافی ہے۔ آپ چکی کا قطب ہیں، جس کے گرد چکی گھومتی ہے، آپ قائم رہیں گے تو چکی گھومتی رہے گی،

اگر آپ بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں شرکت کے لیے چلے گئے تو دشمن یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی بنیاد اور مرکز ہیں انہیں ختم کر دیا جائے تو مسلمانوں کو آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے، اور وہ یہ سوچ کر آپ پر پوری شدت سے حملہ آور ہونگے، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ کا مدینہ میں رہنا میدان جنگ میں جانے سے بہتر ہے۔''

امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور امام محبّ طبری اپنی ریاض النضرۃ میں اور امام ابن قدامہ مقدسی اپنی الرقۃ والبکاء میں امام ابومریم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جسم پر پرانا کمبل دیکھا، جس کے کنارے گھس چکے تھے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہیے، کیا کام ہے؟

میں نے عرض کیا کہ آپ اس کمبل کو اُتار پھینکیں، اور کوئی دوسرا کمبل اوڑھ لیں۔ یہ سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے وہ کمبل اپنے منہ پر ڈال لیا، اور رونے لگے۔

میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ میری اس بات کا آپ پر اس قدر ناگوار اثر پڑنے والا ہے، تو میں یہ بات کبھی نہ کہتا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کمبل مجھے میرے خلیل نے پہنایا تھا۔

میں نے عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ کا خلیل کون ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب۔ انہوں نے اللہ سے خلوص کا معاملہ کیا تو اللہ نے ان سے خیر خواہی کی۔ [1]

غور فرمائیے: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کس قسم کے جذبات کا اظہار فرما رہے ہیں۔ نیز ان کو اپنا خلیل قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے یہ عظیم انسان کامیاب ترین انسانوں میں سے ایک ہے۔ اس چیز کا اظہار اپنی زبان مبارک سے اس وقت کیا، جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی حالت

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۱۲۰۴۶.

میں موت وحیات کی کشمکش میں تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((إِنِّی لَوَاقِفٌ فِی قَوْمٍ، یَدْعُوْنَ اللّٰهَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَقَدْ وُضِعَ، مَرْفَقَهُ عَلَى مَنْكَبِی یَقُوْلُ: یَرْحَمُكَ اللّٰهُ! إِنِّی لَأَرْجُوْأَنْ یَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَیْكَ، لِأَنِّی كَثِیْرًا مِمَّاكُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: كُنْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ، وَفَعَلْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ، وَدَخَلْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَخَرَجْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ فَأَلْتَفَتُّ فَإِذَا عَلِیُّ بْنُ أَبِی طَالِبٍ.)) [1]

''جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چارپائی پر رکھا گیا تو میں چند لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگ رہے تھے کہ ایک آدمی نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی اور یوں کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ مجھے امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں رفیقوں کے ساتھ ملائے گا۔ کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو اکثر فرماتے سنا، میں اور ابوبکر، عمر اکٹھے تھے، میں نے اور ابوبکر وعمر نے یہ کام کیا، میں ،ابوبکر اور عمر روانہ ہوئے، میں ، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے اور میں ابوبکر وعمر نکلے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ کلمات ادا کرنے والے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔''

ذرا غور فرمایئے: جس شخصیت کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس قدر بہترین جذبات وخیالات کا اظہار فرمایا ہو، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ شخصیت عظیم ترین انسان ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا صاحب بصیرت وقوت کسی غلط شخص کی قطعاً تعریف نہیں کرسکتا۔ اس سے ان لوگوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہیے کہ جو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، رقم : ۳۶۷۷، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم : ۶۱۸۷.

کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ برے ہوتے تو علی رضی اللہ عنہ جیسا عظیم انسان کبھی ان کی تعریف و توصیف نہ کرتا۔ جن کی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مدح سرائی کریں یقیناً وہ عظیم لوگ ہیں۔ اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔

❀ اب امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کا نظریہ بھی پڑھ لیجئے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان "رحماء بینھم" کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ سیّدنا ضرار بن حمزہ ضبائی، سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے ہاں تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میرے سامنے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کیجئے، انہوں نے عرض کیا:

اے امیر المومنین! اس معاملے میں آپ معذرت قبول نہیں کرتے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں معذرت قبول نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا: اگر ضرور ہی سننے ہیں تو سینیے:

اللہ کی قسم! وہ بلند خیال اور مضبوط اعصاب والے تھے، دوٹوک بات کہتے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے، اور چاروں طرف حکمت و دانائی بولتی تھی۔ وہ دنیا کی رنگینیوں سے اُچاٹ اور رات اور اس کے اندھیروں سے مانوس تھے۔ اللہ کی قسم! وہ بڑے متحمل اور گہری سوچ رکھنے والے انسان تھے۔ اس دوران اپنی ہتھیلی کو پلٹتے اور اپنے آپ سے مخاطب ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سستا لباس اور سادہ خوراک پسند کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! وہ ہم کے بیچ عام آدمی کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس آتے تو وہ ہمیں اپنے قریب بٹھاتے، اور جب ہم سوال کرتے تو وہ ہمیں جواب دیتے تھے، اور اتنے تقرب کے باوجود ہم ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے گفتگو کی ہمت نہ پاتے۔ جب وہ مسکراتے تو دندانِ مبارک پروئے ہوئے موتیوں کی لڑی جیسے رکھتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے اور مساکین سے محبت کرتے تھے۔ کوئی طاقتور شخص اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان سے ناحق فیصلہ کروانے کی طمع نہ کرسکتا تھا اور نہ کمزور انسان ان کے عدل سے مایوس ہوتا تھا۔

میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں بعض مواقع پر ستاروں کے ڈھلنے کے بعد

اندھیری راتوں میں دیکھا کہ وہ اپنے محراب میں اپنی داڑھی پکڑ کر سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح تڑپ رہے تھے، اور غمگین کی طرح رو رہے تھے اور گویا کہ میں اب بھی انہیں سن رہا ہوں کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ''یَا رَبَّنَا یَا رَبَّنَا'' اور اس کے سامنے گریہ زاری کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے کہہ رہے ہیں کہ تو مجھے دھوکہ دیتی ہے، اور میری طرف لپکتی ہے۔ مجھ سے دور رہ، کسی اور کو دھوکہ دے، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں، تیری عمر چھوٹی ہے اور محفل حقیر ہے اور مرتبہ معمولی ہے۔ آہ! سفر لمبا ہے، سفر خرچ کم ہے اور راستہ پُر خطر ہے......!!

یہ سن کر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے، اور ان کی داڑھی پر بہنے لگے انہوں نے آنسوؤں کو آستین سے خشک کرنا شروع کر دیا، اور ہم نشین بلک بلک کر رونے لگے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ابوالحسن پر اللہ رحم فرمائے۔ یقیناً وہ ایسے ہی تھے۔ اے ضرار! ان کی شہادت پر تیرا غم کیسا ہے؟

انہوں نے کہا: جیسے کسی عورت کے اکلوتے بیٹے کو اس کی گود میں ہی ذبح کر دیا گیا، ہو (اور اس موقعہ پر) نہ تو اس کے آنسو تھمتے ہیں، نہ غم ختم ہوتا ہے۔ [1]

اس روایت سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتنے اشتیاق اور اصرار کے ساتھ سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف سنے اور کس قدر وسعتِ ظرفی سے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

اب ہم آپ کے سامنے ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم باوجود اپنے مرتبہ و مقام کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل و جان سے قدر کرتے تھے، اور ان کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔

ساتویں صدی کے مشہور شیعہ محدث بہاؤ الدین ابوالحسن علی بن حسین اربلی اپنی کتاب ''کشف الغمۃ فی معرفۃ الآئمۃ'' میں بیان کرتے ہیں کہ عراقیوں کا ایک گروہ سبط

---

[1] نہج البلاغہ، ص: ۳۷۴، حلیۃ الاولیاء، ۱/۸۴.

رسول سیّدنا علی بن حسین زین العابدین کے پاس آیا، اور سیّدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق نامناسب باتیں کرنے لگا۔ جب وہ اپنی باتوں سے فارغ ہوا، تو آپ نے فرمایا: میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اولین مہاجروں میں سے ہو؟

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

(الحشر : ۸)

''جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔''

انہوں نے کہا: نہیں!

آپ نے فرمایا: کیا تم وہ لوگ ہو۔

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۝﴾ (الحشر : ۹)

''جو دارِ ہجرت (مدینہ) اور ایمان کو ان سے پہلے ٹھکانہ بنا چکے تھے۔ وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان (مہاجرین) کو جو کچھ دیا جائے اس سے اپنے سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے، اور انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود بھی اس کی شدید ضرورت ہو۔''

انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم بذاتِ خود اس بات کے اقراری ہو گئے کہ تم ان دونوں فریقوں میں سے نہیں ہو، اور گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو، جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ:

﴿يَقُولُونَ رَبَّنَآ اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحشر: ١٠)

''اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے، اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے متعلق کینہ و کدورت پیدا نہ کر۔''

میرے پاس سے نکل جاؤ، اللہ تمہارا (برا) کرے۔ [1]

یہ ہے سبطِ رسول، سیّدنا زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا مبارک نکتہ نظر ان لوگوں کے متعلق جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حسن سیرت وسلوک میں عیوب تلاش کرتے ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ واقعات سے آپ نے اہل بیت کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور عقیدت کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ محبت کا دوسرا اہم ترین ستون مصاہرت ہے۔ یعنی رشتہ داری قائم کرنا کہ جس سے محبت کی عمارت مضبوط ترین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مصاہرت کے ذریعے تعلق مضبوط کرنے والا بنایا، اور اسے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ○﴾ (الفرقان: ٥٤)

''اللہ وہ ذات ہے، جس نے بشر کو پانی سے پیدا فرمایا، اور اسے نسب اور صِھر (سے رشتہ استوار کرنے) والا بنایا اور تیرا رب قدرت والا ہے۔''

مصاہرت کا معنی و مفہوم:

مصاہرت کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ دوسروں سے ازدواجی رشتہ کرنا یعنی ان کا داماد یا بہنوئی بننا یا انہیں اپنا داماد اور بہنوئی بنانا۔ مصاہرت ایک شرعی تعلق ہے اور اللہ نے اسے نسب کے

[1] کشف الغمه فی معرفة الائمه.

ہم پلہ قرار دیا ہے، اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِبْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ .)) [1]

''قوم کی بہن کا بیٹا انہی میں سے ہے۔''

عربوں کے ہاں مصاہرت کا بڑا امر تبہ و مقام تھا۔ وہ اس پر فخر کے قائل تھے۔ لوگ اپنی بیٹیاں اور بہنیں اُن لوگوں سے نہیں بیاہتے تھے، جنہیں وہ حسب ونسب کے اعتبار سے اچھا نہ جانتے ہوں۔ اس بات کا اس دور میں بھی خیال کیا جاتا تھا چنانچہ عرب لوگ کہتے تھے۔

''شریف النسب آدمی ہی اچھی اولاد پیدا کر سکتا ہے، اور کھجور سے اچھا پھل حاصل کرنے کے لیے اس کو مناسب جگہ پر بویا جاتا ہے۔ یعنی اچھے حسب ونسب والے مرد کی اولاد بھی اچھی ہوگی۔''

اس وجہ سے عربوں کی کوشش ہوتی تھی کہ اچھے سے اچھے لوگوں کے ساتھ مصاہرت قائم کی جائے، کیونکہ اس سے تعلقات آگے بڑھنے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے پیار ومحبت کی فضا قائم رہ سکتی ہے۔ جیسا کہ آج بھی ہمارے معاشرے میں لوگ رشتے ناطے جوڑنے سے پہلے پوری طرح چھان بین کرتے ہیں، آگے پیچھے سے معلومات حاصل کرتے ہیں کہ کہیں غلط قسم کے افراد سے واسطہ نہ پڑ جائے، کیونکہ اس سے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ الغرض رشتہ داری قائم کرنے کے لیے اچھے سے اچھے خاندان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ تاکہ پیار اور محبت کے رشتے ہمیشہ ہمیشہ قائم ودائم رہیں۔

اس حوالے سے بھی اہل بیت کو دیکھیے کہ انہوں نے انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رشتے جوڑے تعلقات قائم کیے کہ جنہیں لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ اگر وہ برے تھے تو رشتہ داریاں قائم کیوں کیں۔ یقیناً وہ بُرے نہیں تھے۔ اس لیے ان سے رشتہ داریاں قائم کیں۔ کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفرائض، رقم: ٦٧٦٢.

۱: اہل بیت عظام کی صدیقی گھرانے سے مصاہرت:

اس کے ثبوت کے لیے جعفر بن محمد ہاشمی قریشی کا یہ قول ہی کافی ہے کہ

((ولدنیی ابوبکر مرتین .))

''مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنا ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ امام جعفر الصادق کی والدہ کون ہے؟

وہ ہے اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کا نام تھا۔

((أسماء بنت عبدالرحمٰن بن أبی بکر الصدیق .))

دانش مند برادران! ذرا سوچیے اور غور فرمایئے کہ امام جعفر رحمہ اللہ ، صادق نے محمد بن ابوبکر کا نام نہیں لیا، بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے، کیونکہ انھی کے نام پر ہی فخر کیا جا سکتا ہے جو بڑے رتبہ کے انسان ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض فتنہ گزیدہ لوگ حب اہل بیت کا نقاب اوڑھ کر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کرتے ہوں، اور آپ نے ان کے منہ بند کرنے کی خاطر اس فضیلت کو بیان فرمایا ہو، اور اشارہ کیا ہو کہ ان کی بدگوئی کرنے والا درحقیقت ہماری بدگوئی کرتا ہے۔

۲: سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی اُموی گھرانے سے مصاہرت:

اس کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیّدنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی اُمامہ بنت العاص بن ربیع اُمویہ سے نکاح کیا تھا۔

۳: سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہاشمی گھرانے سے مصاہرت:

اس مصاہرت کے ثبوت کے لیے بہتر ہے کہ اہل السنہ کی کتب کی بجائے شیعہ کی کتب سے حوالے پیش کیے جائیں اور ان کتابوں کے حوالے دیے جائیں جو معتبر شیعہ علماء کی لکھی

ہوئی ہیں اور ان کے ہاں معتبر بھی ہیں۔

چنانچہ ابن طقطقی جن کا اصل نام صفی الدین محمد بن تاج الدین ہے، اور یہ نامور شیعی مؤرخ اور نساب ہے، اپنی اُس کتاب میں لکھتا ہے جو اس نے عباسی ہاشمی سادات کرام کے قاتل ہلاکو خاں کے مشیر نصیر طوسی کے صاحبزادے اصیل الدین حسن کی نذر کی تھی۔

ذکر بنات امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ:

((وَأُمُّ كُلْثُوْمٍ أُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ، تَزَوَّجَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَوَلَدَتْ لَهُ زَيْدًا ثُمَّ خَلَفَ عَلَيْهَا عَبْدُاللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ.)) (ص: ٥٨)

"اور اُم کلثوم، ان کی ماں سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شادی کی تھی۔ چنانچہ اس نے ان کے بیٹے زید کو جنم دیا، پھر ان کی وفات کے بعد سیّدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔"

اس سلسلے میں سید مہدی رجائی کا کلام بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق بہت سے حوالے ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک تحقیق عمر بن علی بن حسین ہاشمی قریشی کی طرف نسبت کی وجہ سے عمری کہلانے والے علامہ ابوالحسن عمری کی ہے، وہ اپنی کتاب "المجدی" میں لکھتے ہیں:

((والمعول علیه من هذه الروایات ماراینا ه آنفا من ان العباس بن عبدالمطلب زوجها عمر برضی ابیها علیه السلام واذنها واولدها عمر زیدا......الی آخره.))

"ان روایات میں سے معتمد (روایت) جو ہم نے ابھی دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی رضا مندی اور اجازت سے ان کی شادی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دی، اور اس نے ان کے بیٹے زید کو جنم دیا۔"

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ: ''اس طرح مفید کا اصل واقعہ سے انکار بھی منقول ہے، لیکن وہ اس چیز کے بیان کی غرض سے ہے کہ یہ واقعہ ان کے طرقِ اسناد سے ثابت نہیں، ورنہ جن روایات میں اس کا ذکر ہے، اور عنقریب ان کی اسناد بھی بیان ہونے والی ہیں، ان سے ماننا پڑے گا کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت (شہید) ہوئے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ (اپنی لختِ جگر) اُم کلثوم کے ہاں آئے، اور انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے۔''

الکافی کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ذیل باب میں موجود ہے۔

((بَابُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا الْمَدْخُوْلُ بِهَا أَيْنَ تَعْتَدُّ وَمَا يَجِبُ عَلَيْهَا؟ حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ عَنِ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَنَانَ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ أَبِى عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا اَتَعْتَدُّ فِى بَيْتِهَا اَوْحَيْثُ شَآءَ تْ؟ قَالَ: بَلْ حَيْثُ شَاءَ تْ أَنْ عِلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تَوَفَّى عُمَرُ اَتٰى أُمَّ كُلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهِ.)) [1]

''باب اس مسئلہ کے متعلق کہ جس مدخول بہا عورت کا خاوند فوت ہو گیا وہ کہاں عدت گزارے اور اس پر کیا کچھ واجب ہے؟ حمید بن زیاد، ابن سماعہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ محمد بن زیادہ سے، اور وہ عبداللہ بن سنان، اور معاویہ بن عمار سے، اور وہ دونوں ابوعبداللہ علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ عدت کے ایام اپنے گھر میں گزارے یا جہاں کہیں وہ چاہے؟ آپ نے فرمایا: جہاں وہ چاہے، جب عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اُمّ کلثوم کے ہاں آئے اور انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے۔''

---

[1] الفروع من الکافی: ٦/١٥٥.

شیخ صالح بن عبداللہ درویش سیشن جج قطیف سیشن کورٹ سعودی عرب فرماتے ہیں کہ میں نے بعض معاصر شیعہ علما سے اس شادی کے متعلق خط و کتابت کی تو اس کا سب سے شاندار جواب محکمہ اوقاف و مواریث کے قاضی شیخ عبدالحمید الخطی نے لکھا، ان کے الفاظ یہ تھے:

((وَأَمَّا تَزْوِيجُ الْإِمَامِ عَلِيٍّ فَارِسِ الْإِسْلَامِ إِبْنَتَهُ أُمَّ كُلْثُومٍ فَلَا نَشَازَ فِيهِ، وَلَهُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَقَدْ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمَّ حَبِيْبَةٍ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، وَمَا كَانَ أَبُو سُفْيَانَ بِمَنْزِلَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَمَا يُشَارُ حَوْلَ الزَّوَاجِ مِنْ غُبَارٍ فَلَا مُبَرِّرَ لَهُ عَلَى الْإِطْلَاقِ .))

”باقی رہا شہسوارِ اسلام، امام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اپنی لختِ جگر کی شادی کا معاملہ تو ہم اس سے نفرت نہیں کرتے، اور آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہیں، اور آپ نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا تھا، اور ابوسفیان، سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب کے مرتبہ و مقام کا نہ تھا۔ اس نکاح کے سلسلے میں جو غبار اُڑایا جاتا ہے اس کا مطلق جواز نہیں ہے۔“ [1]

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کے ساتھ محبت و احترام کے رشتے کو مستحکم کرنے کے لیے شادی کی درخواست کی تھی، جسے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھلے دل سے قبول فرمایا اور اس طرح آپ کی اہل بیت سے مصاہرت قائم ہوگئی، اور رحماءُ بینھم کی صداقت آشکارا ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت کرام اور اصحاب رضی اللہ عنہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بالعموم، اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانوں کے درمیان بالخصوص رشتہ مصاہرت قائم

[1] رحماء بینھم، مطبوعہ دار ابن جوزی.

تھا، اور یہ رشتہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان کے درمیان الفت ومودت موجود تھی، اور وہ باہم شیر وشکر تھے، اور ایسی کوئی بات نہ تھی جو ماتمی جلسوں اور جلوسوں میں بیان کی جاتی ہے۔

یہ پروپگینڈے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا مومنوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کو ایسے پروپگینڈے سے بچنا چاہیے کہ جس سے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلط قسم کے جذبات دل ودماغ میں پیدا ہوتے ہوں۔ کیونکہ یہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنے کی توفیق بخشے۔

قارئین کرام! مذکورہ صفحات سے آپ کو معلوم ہوا کہ اہل بیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء ثلاثہ کے ساتھ مصاہرت قائم کی۔ جو کہ ان کی آپس کی انتہائی محبت کی دلیل ہے۔

محبت کا اظہار کئی طریقوں سے ہوتا ہے یعنی کبھی اچھے جذبات سے اور کبھی رشتہ ناطہ جوڑ کر اور کبھی محبت وعقیدت ہوتی ہے۔ اس کے نام پہ اپنے بچوں کے نام رکھے جاتے ہیں، تاکہ اس کی یاد ہمیشہ دل ودماغ میں تازہ رہے۔ اور اس کا نام ہمارے گھر میں گونجتا رہے، اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نہ سہی تو اس کی یاد ہی صحیح۔ یعنی اس کا نام ہم نے اپنی اولادوں کا رکھ لیا ہے۔ تاکہ اس کی یاد تو آتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ اپنے پیاروں کے ناموں پہ نام رکھتے ہیں۔ دیکھیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر شخص کو محبت ہے، وہ اس محبت کا اظہار اپنی اولاد کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام پر رکھ کر کرتا ہے۔ چنانچہ کسی کا نام محمد رفیق ہے، تو کسی کا محمد شفیق، کسی کا محمد عثمان ہے، تو کسی کا محمد احمد، محمد عمر وغیرہ وغیرہ، الغرض کہ ہر نام میں تقریباً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملایا جاتا ہے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے۔

تو قارئین کرام! دوسروں کے ناموں پہ نام محبت اور عقیدت کے اظہار کے لیے اور اس سے وابستگی کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہمارے مذکورہ تمہید سے آپ کے سامنے واضح ہوگئی ہوگی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اہل بیت کو بھی کسی سے محبت وعقیدت تھی یا نہیں کہ جن کے ناموں پر انہوں نے نام رکھ کر اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہو۔ جب ہم تاریخ کے اوراق

پلٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کو رسول مکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ اگر کسی سے محبت تھی تو وہ صرف اور صرف خلفاء ثلاثہ سیّدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت نے ان کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھے۔ تاکہ ان کی یاد ہمیشہ دل میں تروتازہ رہے اور عقیدت ومحبت کے جذبات بڑھتے ہی چلے جائیں۔

چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نام پر رکھے۔

- سیّدنا ابوبکر رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قریشی جو اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان پر اور ان کے باپ پر افضل واعلیٰ درود وسلام ہو۔
- سیّدنا عمر رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قریشی، جو اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے، ان پر اور ان کے باپ پر اعلیٰ وافضل درود وسلام ہو۔
- سیّدنا عثمان رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قریشی، جو اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حادثہ کربلا میں شہید ہوئے۔

غور فرمائیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے تینوں بیٹے کربلا میں شہید ہوتے ہیں، اور تینوں کا نام خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نام پر ہے۔ جو کہ ان سے بے پناہ محبت وعقیدت کی دلیل ہے پھر اس کے بعد آجایئے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے دو بیٹوں کے نام ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھتے ہیں، اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا۔ اگر یہ محبت نہیں ہے تو اس کو کیا کہیں گے۔ یقیناً یہ محبت ہے اسی محبت کا اظہار کرتے ہوئے امیر المومنین سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ (فرشتہ رحمت) نے بھی اپنے بیٹوں کے نام، خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مبارک ناموں پر اپنے بیٹوں کے نام رکھے۔

محترم قارئین! یہاں ایسے ناموں کی گنتی مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ہمارے مدعا پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے پیارے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس وجہ سے

انہوں نے اس محبت کا اظہار اپنے بیٹوں کے نام انہی مبارک شخصیات کے ناموں پر رکھ کر کیا۔

اس محبت کو دوام بخشنے کے لیے اہل سنت نے بنو امیہ والوں سے رشتہ داریاں قائم کی ہیں، اور خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کیے۔ جیسا کہ ہماری مذکورہ گزارشات سے یہ واضح ہو چکا ہے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات بیان کر کے لوگوں کے سامنے ان کی عزت وتکریم میں کوئی نقص پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرے تو اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نقص پیدا کرنا مومنوں کا قطعاً کام نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، "لیغیظ بهم الكفار" کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بغض و عناد رکھنے والے تو کافر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے بغض رکھنا کافروں کا کام ہے نا کہ مومنوں کا۔ لہٰذا مومنوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زبان کو ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں انتہائی احتیاط سے استعمال کریں مزید برآں انسانی اخلاقی فریضہ ہے کہ زبان کھولتے وقت یہ خیال رہے کہ ہمارے کلام سے کسی کی دل آزاری تو نہیں ہو رہی۔ کسی صحابی کی شان میں گستاخی یا گستاخی کا شبہ تو نہیں ہو رہا۔ اگر زبان کھولنے سے ان میں سے کسی بھی چیز کا اندیشہ ہو رہا ہو تو زبان کو ہرگز نہیں کھولنا چاہیے، کیونکہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا۔ اس لیے تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے محسن ہیں کہ جن کی قربانیوں کی بدولت یہ دین اسلام ہم تک پہنچا ہے۔ ان کی قربانیوں کا حق یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعائیں کی جائیں۔ اور ان سے عقیدت ومحبت کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ اسی میں کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کی توفیق بخشے اور ہر قسم کے بغض اور عناد سے بچائے۔ آمین یارب العالمین۔

آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہل السنۃ کا عقیدہ:

آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے مسئلہ کو علمائے اہل سنت نے مسائل اعتقاد میں شامل کیا

ہے کیوں؟ اس لیے کہ اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے اور انہوں نے اس کی اہمیت پر مستقل رسائل تصنیف کیے ہیں۔ چنانچہ مسائل اعتقاد میں آپ کو اہل السنہ کی کوئی کتاب ایسی نہ ملے گی، جس میں انہوں نے اس مسئلہ کی اہمیت بیان نہ کی ہو۔ چنانچہ امام تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر جامع اور مختصر رسالہ لکھا ہے، اور ''عقیدہ واسطیہ'' میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنہ، اہل بیت سے محبت اور وابستگی رکھتے ہیں، اور ان کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھتے ہیں، کیونکہ آپ نے غدیر خم کے روز فرمایا تھا:

((أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهِ فِي أَهْلِ بَيْتِيْ .)) [1]

''میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں، اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔''

اس دلالت کی وجہ سے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت سے محبت اور عقیدت ضروری ہے۔ بغیر ان کی محبت کے ایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر بڑے بڑے علماء کرام نے اس موضوع پر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت کو لوگوں کے سامنے واضح کر دیا جائے۔ اس مسئلہ کو اہمیت دینی چاہیے، اور اہل بیت سے عقیدت و محبت اپنے دلوں میں پیدا کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ صحیحہ ہے۔

نوٹ :......اہل سنت والجماعت سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو اپنی زندگی قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق گزارتے ہیں۔ نا کہ بدعت پرستوں کا وہ ٹولہ کہ جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتا ہے، اور اپنی زندگی کو بدعات وخرافات سے گندا کر رکھا ہے اس کے باوجود اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، حالانکہ یہ حقیقت سے کوسوں دور ہیں ان کی کثرت ہندو پاک میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رقم: ٦٢٢٥.

باب نمبر: ۷

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب

خلیفۂ اوّل

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ کائنات کا سب سے افضل ترین گروہ ہے۔ اس کی شہادت قرآن وحدیث کے بے شمار دلائل دیتے ہیں۔ اس افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جان و مال سے دین اسلام کی آبیاری کی ہے، اور اس راستے میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وہ شخصیت کہ جس نے سب سے زیادہ اسلام کے لیے قربانیاں دیں ہیں، اور جان و مال سے شجرِ اسلام کی حفاظت کی ہے، وہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے۔

نام ونسب، خاندان:

عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد ماجد کا نام عثمان، اور کنیت ابو قحافہ، والدہ ماجدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد ماجد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عثمان بن عامر و بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی التمیمی بن تیم بن مرہ۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۱۹) اس طرح سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد:

ابوقحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے، ابتدا جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے وہ اسلام کی تحریک کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے، چنانچہ سیّدنا عبداللہ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو میں آپ ﷺ کی تلاش میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آیا وہاں ابوقحافہ موجود تھے انہوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس طرف سے گزرتے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔ (الاصابہ ۴/ ۲۲۱)

ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ وہ اپنے فرزند سعید، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد آپ ﷺ نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا، سیّدنا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی عمر پائی۔ نبی کریم ﷺ کے بعد اپنے فرزند ارجمند سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے، آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی رہی۔ آخر کار ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ (اصابہ ۶/ ۲۲۲)

قبل از اسلام:

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے، اور ان کی دیانت، راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسنِ خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا، اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا، تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ (کنز العمال: ۶/ ۳۱۳)

اس سے دور جاہلیت میں بھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت و شرف کا اندازہ لگایا جا

سکتا ہے کہ لوگ آپ کو انتہائی امین و دیانت دار سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے خون بہا کا مال انہی کے پاس رکھوایا جاتا تھا جو ان کی طبیعت کی سلامتی اور پاکیزگی کا پتہ دیتا ہے۔ اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ طبعًا پاک باز اور نیک سیرت و صورت بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں سے ایک سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو مذموم چیزوں سے نفرت رہی۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسی زمانہ اسلام میں تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص اُنس اور خلوص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ (کنز العمال)

اسلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خلعت ، نبوت عطا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخفی طور پر احباب مخلصین ، اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا، فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی، گذشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خدوخال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا، البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مؤرخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام سب سے مقدم ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی

کے لیے مخصوص ہے۔ چنانچہ سیّدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

”جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد کرو ان کے کارناموں کی بنا پر۔“

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا أَعْدَلُهَا بَعْدَ النَّبِيِّ وَأَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

”وہ تمام مخلوق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے، اور انہوں نے جو کچھ اٹھایا اس کو پورا کر کے چھوڑا۔“

وَالثَّانِيْ وَالتَّالِيُ الْمَحْمُوْدُ مَشْهَدُهُ وَأَوَّلُ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الْمُرْسَلَا

”وہی ثانی اور آپ کے بعد متصل ہیں، جن کی مشکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی، اور وہی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔“

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بچوں میں، سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔ [1]

اشاعت اسلام:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لیے جدو جہد شروع کر دی، اور صرف آپ کی دعوت پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام، سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں، مشرف باسلام ہوئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بن

[1] فتح الباری: ٦/١٣٠.

العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں، لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی ذات تھی۔ اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا، چنانچہ اپنے صحن خانہ ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی، اوراس میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے گریہ وبکا دیکھ کر جمع ہو جاتے، اوراس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ [1]

مکی زندگی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ ودعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال رائے ومشورہ غرض ہر حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح وشام سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ (صحیح بخاری) قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لیے جاتے تو یہ بھی ہم رکاب ہوتے اور نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے۔ [2]

مکہ میں ابتدا جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا، ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ظلم وستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ چنانچہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ، عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، نذیرہ رضی اللہ عنہ، نہدیہ رضی اللہ عنہ، بنی مومل رضی اللہ عنہ اور بنت نہدیہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اسی صدیقی جودوکرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب البحرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم. [2] کنز العمال: ۳۱۹/۶.

کفار جب کبھی نبی کریم ﷺ پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا، ایک دفعہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے کہ مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر کہا۔ ''اللہ تم کو ہلاک کرے تم صرف آپ ﷺ کو اس لیے قتل کر دو گے کہ ایک اللہ کا نام لیتے ہیں۔'' [1]

اسی طرح ایک روز نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا۔ اس وقت اتفاقاً سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا، اور فرمایا ''کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس اللہ کی نشانیاں لایا، اور کہتا ہے کہ مرا رب اللہ ہے''؟ [2]

قارئین کرام! ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کس انداز سے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ اور آپ ﷺ کو کفار کی تکلیف سے بچانے کے لیے کوشش کی۔ باوجود اس بات کے کہ خود بھی اپنے خاندان کی مخالفت سے دوچار تھے۔ جس کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ کی حفاظت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اور ہر طرح اپنے جان و مال سے اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت کی اور جو کچھ ہو سکا وہ کر کے دکھا دیا، اور ہر طرح کفارہ و ناہنجار کا مقابلہ کیا۔ لیکن جب کفار کے ظلم و زیادتی کی حد ہو گئی، اور مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت ملی تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کے لیے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلدی نہ کرو، ہو سکتا ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ چار ماہ کے انتظار کے بعد وہ وقت آ گیا کہ آپ ﷺ

---

[1] فتح الباری، ٦/١٢٩.

[2] صحیح بخاری، باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ من المشرکین بمکۃ.

کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً صبح وشام سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول ناوقت تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے، اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر ہمراہی کی تمنا کی۔ ارشاد ہوا ہاں! تیار ہو جاؤ، وہ تو چار مہینوں سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جلدی جلدی رخت سفر درست کیا۔ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھ دیا اور دربار نبوت سے ''ذات النطاقین'' کا خطاب پایا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر رکھے تھے۔ ایک اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، جبکہ دوسرا اونٹ اپنے لیے مخصوص کیا۔ اس طرح یہ مختصر قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مدینہ چونکہ مسلمانوں کے زیر اثر تھا، اور مدینہ میں اسلام کمزور و بے بس نہیں تھا، بلکہ اپنی شان وشوکت کے ساتھ نمودار ہو رہا تھا، اس لیے مسلمان یہاں کھلے عام اور مکمل آزادی کے ساتھ احکام الٰہی پر عمل پیرا تھے۔ نماز کے سلسلہ میں مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی پریشانی تھی، چنانچہ اس پریشانی کے حل کے لیے مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لیے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گو ان کے اولیا و اقربا بلا قیمت پیش کرنے پر مصر تھے، تاہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت دلوادی۔ [1]

اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ابر کرم نے اسلام کے لیے جود وسخا کی بارش کی۔ قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ بزرگ ہستی آہن اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم رہی۔

---

[1] فتح الباری، ۶/۱۹۳.

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا، اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشر و اشاعت کا وقت آ گیا تھا، لیکن عرب کی جنگ جو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور نوک سناں سے وابستہ سمجھی جاتی تھی، اس لیے اس نے ہمیشہ علمبردار اسلام کو اپنی جنگ جوئی سے منبر وعظ و ہدایت کو چھوڑ کر میدان رزم میں آنے کے لیے مجبور کیا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خون ریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک مشیر و وزیر با تدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔

غزوۂ بدر:

غزوۂ بدر حق اور باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھے، اور وہی پیر مرد، جس نے اپنے وعظ سے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف جیسے اولوالعزم اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا تھا۔ اس خوفناک جنگ میں بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی انور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل نہ ہوئے ایک دفعہ ردائے مبارک شانۂ اقدس سے گر گئی فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی۔ پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے، درحقیقت یہی وہ وارفتگی جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا کہ جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سربلند کیا۔ [1]

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے

---

[1] فتح الباری : ۲۲۵/۷.

جائیں، لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس لیے ان کے ساتھ رحم و تلطف کا برتاؤ کرنا چاہیے، اور فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیے۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی۔ ❶

غزوۂ اُحد:

بدر کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا۔ انہوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا، اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے، لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے، لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت مجروح ہوئے، اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لائے تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا ''کیا قوم میں محمد ہیں؟ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے سیّدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔ ❷

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی نظر میں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما ہی کھٹکے ہیں۔ وہ بھی انہی کو بڑا سمجھتے تھے۔

اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کفار نے دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کر کے واپس آنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلہ کے لیے ایک دستہ تیار کیا۔ اس دستہ میں بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ ❸

اور ان کے علاوہ جو بھی غزوات ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور مشیر خاص اور مجاہد اول کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہوتے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب المغازی، رقم: ٤٥٨٨.

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: ٤٠٤٣.

❸ صحیح بخاری باب المغازی، رقم: ٤٠٧٧.

چنانچہ غزوہ بنی مصطلق جو کہ ۷ ھ میں پیش آیا تھا، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں بھی بنفس نفیس شامل تھے، اس غزوہ میں انتہائی روح فرسودہ واقعہ افک رونما ہوا تھا۔

اسی سال یعنی ۷ ھ میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا کہ جس میں چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی زیارت کی غرض سے آ رہے تھے۔ کفار قریش نے حدیبیہ کے مقام پر روک لیا، جس کے نتیجہ میں معاہدہ حدیبیہ طے پایا تھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں بھی پیش پیش رہے۔ چاہے مشاورت کا معاملہ ہو یا جان پر کھیل جانیکا ہر معاملہ میں حسب سابق سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش پیش رہے۔

جب مشرکین مکہ کی طرف سے اسی معاہدہ کو ۸ ء ھ میں توڑا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ توڑنے کی سزا دینے کے لیے مکہ کی طرف پیش قدمی کی، تب بھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہم رکاب تھے۔ چنانچہ اللہ نے مکہ فتح کروا دیا۔ اس موقعہ پر اپنے والد بزرگ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی شفقت فرمائی اور ان کے سینے پر ہاتھ پھیر کر نور ایمان سے منور فرمایا۔ (الاصابہ، تذکرہ ابوقحافہ)

۹ ھ میں جب قیصر روم کے مقابلہ کے لیے تبوک کی طرف جانے کا پروگرام بنایا گیا تو اس وقت حالات انتہائی تنگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو ہر شخص نے اپنی طاقت کے بقدر حصہ ڈالا۔ لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر بتایا اپنے اور اہل وعیال کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ آیا ہوں۔ [1]

قارئین کرام! ان مذکورہ واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مردِ آہن کسی بھی موقع پر کبھی بھی پیچھے نہ رہا، بلکہ ہر معاملہ میں اپنی طاقت سے بھی زیادہ بڑھ کر حصہ ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اعتراف خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زبان مبارک سے کئی بار کیا، اور اس مرد

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۱۶۷۸، علامہ البانی نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

آہن کے ان احسانات کا عملی مظاہرہ بھی فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی کئی بار اہم ترین ذمہ داریاں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سونپیں گئیں۔

جیسا کہ ۹ ھ میں امارت حج بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی گی اور آپ ﷺ نے ان کو اپنا نائب خاص مقرر کر کے فرمایا تھا کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ آج کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کوئی برہنہ طواف کر سکے گا۔ [1]

خلافت:

رسول مکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود اپنے حکم سے مصلی امامت پر کھڑا کیا۔ باوجود اس بات کے کہ اصرار کرنے والوں نے کہا کہ امامت کے مصلیٰ پر کسی اور کو لا کھڑا کر دیں۔ کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی جگہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ لیکن آپ ﷺ کا بھی یہ اصرار تھا کہ، ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔'' [2]

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مومن اس بات کے انکاری ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کوئی اور امام یا حکمران بن جائے، اور سیّدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَلنَّبِیَّ ﷺ إِمْرَأَةً فَکَلَّمَتْهُ فِی شَیْءٍ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرجِعَ إِلَیْهِ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ کَأَنَّهَا تُرِیْدُ الْمَوْتَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدِیْنِی فَأْتِی أَبَابَکْرٍ .)) [3]

''ایک عورت نبی محترم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی اور اس نے کسی کام کے

---

[1] صحیح بخاری، باب حج ابی بکر بالناس.

[2] صحیح بخاری، کتاب الأدب، رقم: ٦٦٤.

[3] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٦٥٩، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابت، رقم: ٦١٧٩.

بارے میں آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے اسے پھر آنے کا حکم دیا اس نے کہا، یارسول اللہ! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ گویا کہ اس کا اشارہ آپ ﷺ کی وفات کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آجانا۔''

اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی مَرْضِهِ اُدْعِی لِیَ أَبَابَکْرٍ أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتَّی اَکْتُبَ کِتَابًا فَإِنِّی اَخَافُ أَنْ یَتَمَنَّی مُتَمَنٍّ، وَیَقُوْلُ قَائِلٌ أَنَا أَوْلٰی وَیَابَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَابَکْرٍ.)) [1]

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض الوفات میں فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں انہیں تحریر لکھوا دوں، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت) کی تمنا کرنے والے تمنا کریں گے اور کہنے والا کہے گا کہ میرے سوا اور کوئی نہیں۔ جب کہ اللہ اور تمام مومنین ابوبکر کے وعلاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ اَوْ اَرَدْتُّ اَنْ اُرْسِلَ اِلَی أَبِی بَکْرٍ وَابْنِهِ، فَأَعْهَدَ اَنْ یَقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ، وَیَتَمَنّٰی الْمُتَمَنُّوْنُ ثُمَّ قُلْتُ: یَأْبَی اللّٰهُ وَیَدْفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ، أَوْیَدْفَعُ اللّٰهُ وَیَأْبَی الْمُؤْمِنُوْنَ.)) [2]

''میں نے یہ قصد کیا کہ کسی کو بھیج کر ابوبکر اور ان کے بیٹے عبدالرحمان کو بلا بھیجوں اور ابوبکر کو اپنا جانشین مقرر کر جاؤں، تاکہ میرے بعد کہنے والے کچھ اور کہیں اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦١٨١.

[2] صحیح بخاری، کتاب المرضی، رقم: ٥٦٦٦.

آرزو کرنے والے (خلافت کی) آرزو کرنے لگیں۔ پھر میں نے (دل میں) کہا۔ خود اللہ تعالیٰ کسی اور کو خلیفہ نہ ہونے دے گا، اور نہ مسلمان کسی کی اطاعت قبول کریں گے۔''

اور سیّدنا ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، اور پھر ان سے پوچھا:

((مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَخْلِفًا لَو اسْتَخْلَفَهُ؟ قَالَتْ: أَبُوبَكْرٍ "قِيلَ لَهَا" ثُمَّ مَنْ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَتْ: عُمَرُ ثُمَّ قِيلَ لَهَا: مَنْ بَعْدَ عُمَرَ؟ قَالَتْ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، ثُمَّ انْتَهَتْ إِلٰى هٰذَا.)) [1]

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو کسے بناتے؟ فرمانے لگیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پوچھا گیا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر کس کو؟ فرمانے لگیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو۔ پھر پوچھا گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر کس کو؟ فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح کو رضی اللہ عنہ'' اور یہاں بات ختم کر دی۔''

قارئین محترم یہ دلائل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اُن کی قربانیوں کا اعتراف ہے، اور اُن کی دین سے محبت کی ضمانت ہے۔ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤمن اس کو قبول کرتے ہیں، اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں۔

امام مسروق بن اجدع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((حُبُّ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما وَمَعْرِفَةُ فَضْلِهِمَا مِنَ السُّنَّةِ.)) [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، رقم: ٦١٧٨.

[2] کتاب المتحابین فی اللہ لابن قدامة، ص: ٧٤.

''سیّدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور انہیں افضل،،، سمجھنا اہل سنت کی نشانی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، بیعت کرنے والوں میں خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ ہی میں یہ کہا کرتے تھے:

((خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ، ثُمَّ عُمَرَ ، ثُمَّ عُثْمَانُ رضی اللہ عنہم)) ❶

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان سیّدنا ابوبکر، پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بات کی تائید فرماتے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے:

((خَيْرُ هٰذِهِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ .)) ❷

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہترین شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

((لا اوتی باحد یفضلنیی علیهما الا جلدته حد المفتری .))

''اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دے تو میں اسے تہمت کی حد کے مطابق کوڑے لگاؤں گا۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ وہ امت کے سب سے افضل انسان ہیں،

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب فضل ابی بکر بعد النبیؐ، رقم : ۳٦۵۵.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ ، باب......، رقم : ۳٦۷۱.

اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خلافت کی وصیت فرمائی تھی اور نہ یہ کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر ظلم کیا اور نہ ان سے ان کا حق چھین لیا تھا۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد انہوں نے پہلی بیعت کی تاکید کے لیے دوبارہ بیعت کی، تاکہ لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کرسکیں کہ وہ جماعت ہی کے ساتھ ہیں، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ان کے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور انہوں نے اپنے بعد خلافت کے فیصلہ کے لیے عشرہ مبشرہ (وہ دس عظیم انسان جن کو زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی تھی) میں سے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنا دی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں ان کی زندگی میں کوئی اختلاف کیا تھا، اور نہ ان کی وفات کے بعد اور نہ یہ کہا کہ وہ ان سب سے افضل ہیں۔

ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کرے کہ آپ ﷺ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی، جب کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کبھی کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا، بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ سیّدنا ابوبکر، عمر اور عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی خلافت صحیح تھی، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتراف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد اور شوریٰ کے مسائل میں ان سے پورا پورا تعاون بھی کیا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام مسلمانوں کا بھی اس پر اجماع تھا، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ لہٰذا اس کے بعد کسی فرد یا کسی جماعت کے لیے خواہ وہ شیعہ ہو یا کوئی اور یہ دعویٰ کرنا جائز نہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ وصی ہیں، اور ان سے پہلے خلفا کی خلافت باطل ہے۔ اسی طرح کسی کے لیے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا اور ان کا حق چھین لیا، کیونکہ یہ بات سب سے زیادہ باطل بات اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوءِ ظن (براگمان) ہے، جن میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے پاک رکھا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے کہ یہ کبھی ضلالت پر جمع ہو جائے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے۔

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِی مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ .))[1]

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر کامیاب رہے گا۔''

لٰہذا یہ بات محال ہے کہ امت اپنے اشرف ترین دور میں باطل پر جمع ہو جائے، کیونکہ شیعہ کے بقول سیّدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت باطل ہے، حالانکہ اس طرح کی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جس شخص کو اسلام کے بارے میں ادنیٰ سی بھی بصیرت حاصل ہو، وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔[2]

اور سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِی صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ اَبُوْبَكْرٍ۔ (وعند البخاری ابابکر) وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتَ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنْ اَخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَ مَوَدَّتُه ، لَا تُبْقَيَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا خُوْخَةَ اَبِی بَكْرٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ (لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّی لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا .))[3]

''یقیناً مجھ پر رفاقت اور مال خرچ کرنے کے اعتبار سے تمام لوگوں سے زیادہ احسانات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہیں اور گر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، البتہ (اس کے ساتھ) اسلامی اخوت اور مودت ہے، مسجد میں

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجآء فی اهل الشام رقم: ۲۱۹۲، سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب اتباع سنة رسول اللهؐ رقم: ٦ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] فتاویٰ اسلامیه، ۱/۷٦، ۷۷، ۷۸.

[3] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۹۰٤، ۳٦٥٤، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦۱۷۰.

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے ماسوا کوئی کھڑکی باقی نہ رہنے پائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میں نے اپنے پروردگار کے علاوہ کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔"

اور سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهُ اَخِيْ وَصَاحِبِيْ وَقَدْ اتَّخَذَاللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا .)) [1]

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ "اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، البتہ وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رفیق کو (اپنا) خلیل بنایا ہے۔ جتنا فائدہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے پہنچایا ہے اتنا فائدہ کبھی کسی کے مال نے نہیں پہنچایا۔ اور اگر میں کسی کو خلیل بنانا چاہتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ خبردار تمھارا صاحب اللہ کا خلیل ہے۔" [2]

قارئین محترم غور فرمایئے! کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا اعتراف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جس قدر فائدہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جان و مال نے پہنچایا ہے کبھی کسی کے مال نے نہیں پہنچایا۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہجرت کی طرف ہو۔ کیونکہ ہجرت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی انتظامات سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی کیے تھے، اور اُس کے لیے جو بھی مال خرچ ہوا تھا، وہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہی تھا۔

مسجد نبوی کے لیے جو جگہ خریدی اس کی قیمت بھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی ادا کی تھی اور اس کے علاوہ بھی بے شمار موقعوں پر اور انتہائی ضرورت کے وقت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہی مال کام آیا ہے۔ اس لیے مذکورہ اعترافات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦١٧٢.

[2] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ٣٦٦١۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

مبارک سے کیے ہیں۔ مال کے ساتھ ساتھ جان سے بھی آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال لیا، لیکن آپ ﷺ کی تکلیف کو برداشت نہ کیا۔ بلکہ اپنی جان سے کہیں بڑھ کر آپ ﷺ کو محبوب رکھا۔

اس سلسلہ میں کئی واقعات مکی زندگی کے باب میں بیان ہوئے ہیں ہمارے اس دعویٰ پر ہجرت کا واقعہ بھی دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور کے پاس پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں پہلے داخل ہو کر غار کو صاف کیا۔ جو سوراخ اور بھٹ نظر آئے ان کو بند کیا پھر نبی کریم ﷺ سے اندر تشریف لانے کے لیے درخواست کی۔ آپ ﷺ اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیق مونس کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ جو بند ہونے سے رہ گیا تھا، ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا، لیکن اس خادم جان نثار نے اپنے آقا نبی کریم ﷺ کی راحت میں خلل انداز ہونا گوارہ نہ کیا اور خود اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس پر پاؤں رکھ دیا۔ سانپ نے کاٹ لیا زہر اثر کرنے لگا۔ درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی کہ اس سے خواب راحت میں خلل اندازی ہو گی۔ اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر ٹپکا، جس سے نبی کریم ﷺ بیدار ہو گئے اور اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھ کر فرمایا ابوبکر کیا ہے؟ عرض کیا ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں سانپ نے ڈسا ہے'' نبی کریم ﷺ نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔

کارہائے نمایاں:

قارئین محترم! سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی جہد مسلسل کا دوسرا نام ہے۔ اسلام سے پہلے، اسلام کے بعد مکی اور مدنی زندگی میں انہوں نے ہمیشہ جدو جہد ہی کی ہے اور ان کی زندگی بس اسی سے تعبیر ہے۔ پوری زندگی میں بہت ہی کم وقت ملا ہو گا کہ جس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

سکھ کا سانس لیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر براجمان ہوئے تو چاروں طرف فتنے اژدھا کی طرح منہ کھولے کھڑے تھے۔ ان فتنوں سے نبرد آزما ہونا سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہی حوصلہ تھا، اور فتنوں سے سرخرو ہو جانا بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہی لائق تھا۔ کیونکہ کوئی اور ایسا بہادر اور زیرک شخص نہ تھا کہ جو انتہائی حکمت کے ساتھ ان فتنوں کا مقابلہ کر پاتا۔ ان فتنوں کو ختم کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر سختی سے عمل کرنا ہی صدیق رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں ہیں جو کسی اور سے ممکن نہ تھے، بلکہ وہ انہی کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو فتنے بھی اٹھے مثلاً مرتدین کا فتنہ، منکرین زکاۃ کا فتنہ، جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ ان تمام کو ختم کیا، اور جو احکامات رسول کریم ﷺ نے صادر فرمائے تھے ان پر مکمل طور پر عمل کیا، اور کسی قسم کی مشکل اور پریشانی کو اس راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ چنانچہ جس لشکر کو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی شام پر حملہ کرنے کے لیے سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کی سربراہی میں تیار کیا تھا باوجود اس بات کے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس لشکر کو روکنے کا مشورہ دیا کہ حالات پریشان کن ہیں، فتنے اُٹھے ہوئے ہیں، لہٰذا اس لشکر کو آپ ملتوی کر دیں تو اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جس لشکر کو نبی محترم ﷺ نے تیار کیا ہو ابوبکر اس کو نہیں روک سکتا، اگرچہ مدینہ افراد سے خالی ہو جائے اور درندے میری ٹانگوں کو گھسیٹ کر لے جائیں، تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ (تاریخ الخلفائ زسیوطی، ص:۷۱)

غرض خلیفۂ اول سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطرات و مشکلات کے باوجود سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کر کے ان کو نہایت زریں ہدایات فرمائیں، چونکہ سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول ﷺ پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہے تھے، اس لیے انہوں نے تعظیماً عرض کی کہ ''اے جانشینِ رسول ﷺ! اللہ کی قسم! آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اترتا ہوں۔'' بولے، ''اس میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر

میں تھوڑی دیر تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا پاؤں غبار آلودہ کرلوں۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سونیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (طبری، ص: ۱۸۵۰)

سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم رخصت ہو کر حدود شام میں جا پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی بعض مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور نصف میری۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تھا۔

((مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى مُسَيْلَمَةِ كَذَّابٍ اَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ .)) [1]

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو اما بعد دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے، اور روز بروز ان کی قوت بڑھی جا رہی تھی۔ چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا۔ بنو غطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔ اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا، چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ نے

[1] تاریخ طبری، ص: ۱۷۴۹.

نہایت زورشور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی اور یہ مرض وبا کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی ۔ اس بنا پر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزوں رہے گا؟ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا وہ اس وقت تک تمام تعلقات دینوی سے کنارہ کش تھے اس لیے قرعہ انتخاب سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ ۱۱ھ میں سیّدنا ثابت ابن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین وانصار کی ایک جمعیت لے کر مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ (تاریخ طبری، ص: ۱۸۸۷)

سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کر ڈالا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف کر دیا اور عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا، لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے، تجدید اسلام کی، اور حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ (تاریخ یعقوبی ۲/ ۱۴۵)

وفات:

علم ویقین اور ایمان وتقویٰ کا یہ عظیم شاہکار خلافتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم منصب پر سوا دو سال تک براجمان رہا، اور اسلام کے لیے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ جو کبھی فراموش نہ کیے جاسکیں گے۔ آخر کار وہ وقت موعود آن پہنچا کہ جس کا وعدہ رب نے ہر ایک کے ساتھ کر رکھا ہے۔ چنانچہ موسم انتہائی ٹھنڈا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا۔ سردی کی وجہ سے بخار ہو گیا، جس کی شدت پندرہ روز تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں بھی تشریف لانے سے قاصر ہو گئے۔ اسی اثنا میں عمر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اب زندگی کا سورج غروب ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے تو کچھ وصیت فرمائیں۔

چنانچہ تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے۔ کفن کے لیے نیا ہونا چاہیے۔ فرمایا، ''زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ میرے لیے یہی پھٹا پُرانا کافی ہے۔'' اس کے بعد پوچھا آج دن کونسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ پھر، پوچھا رسول اللہ رضی اللہ عنہ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا ''دوشنبہ کے روز'' فرمایا ''تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں۔'' چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول ۱۳ہجری کو راہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیّدہ اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ سیّدنا عثمان، سیّدنا طلحہ، سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گئے۔



خلیفہ دوئم

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

قارئین محترم! رفقائے نبی میں سے دوسری عظیم ترین شخصیت کہ جس نے اپنی روشنی سے چہار عالم میں روشنی کی اور ایسے نقوش تاریخ پر ثبت کیے کہ آج تک ان کی مثال کی تلاش ناممکن ہے، اور کسی کہنے والے نے تو یہاں تک کہا کہ اگر ایک اور فاروق پیدا ہو جاتا تو ساری دنیا پر اسلام کا پرچم لہراتا اور اس کی کوئی مخالفت کرنے والا نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے وقت کی دو سپر پاورز سے ٹکر لی، اور دونوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جی ہاں! اس عظیم شخصیت کا نام نامی اسم گرامی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ہے۔

نام ونسب اور خاندان:

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد ماجد کا نام خطاب اور والدہ ماجدہ کا نام ختمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے کہ: عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن سالک۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جدِ اعلیٰ عدی عرب کے باہمی متنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور اگر قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے، اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آرہے تھے۔ ددھیال کی طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ننھیال کی طرف سے بھی

نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ختمہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ (عقد الفرید)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ ایامِ طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہ سواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان میں سے ایک سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (استیعاب تذکرۃ عمر رضی اللہ عنہ)

اسلام اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عمر جب ستائیس سال کو پہنچی تو اس نے عرب کے ریگستانوں میں ایک غیر مانوس آواز سنی جو کہ اللہ کی توحید کی آواز تھی۔ دوسرے عربوں کی طرح انہوں نے بھی شروع میں اسلام کی مخالفت کی، لیکن بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت اسلام کی عظمت سے مستفید ہوئے۔

قارئین کرام! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں مختلف واقعات ہیں ان واقعات کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان میں تطبیق کیسے ممکن ہے۔ اس کی مکمل تفصیل محترم جناب شاہ معین الدین احمد ندوی نے اپنی کتاب ''خلفائے راشدین'' میں تحریر کی ہے جو کہ نظر قارئین ہے۔

قریش کے سر برآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَعِزَّا الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الرَّجُلَیْنِ اِمَّا ابْنِ ھَشَامٍ وَ اِمَّا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ.

یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسام ازل نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دی تھی ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار بن گیا۔ یعنی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دامن دولتِ ایمان سے بھر گیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تفصیلات قبولِ اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہر کر (نعوذ باللہ) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔'' انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی، بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بولیں عمر رضی اللہ عنہ! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔'' ان الفاظ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر گہرا اثر کیا بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا اسے دیکھ کر اور بھی رقت طاری ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o﴾

(الحدید: ۱)

''زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ خوب غالب اور حکمت والا ہے۔''

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحدید: ۷)

''خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔''

تو بے اختیار پکار اٹھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا لیکن سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ''کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پُر جلال آواز نے انہیں کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی: ''ایمان لانے کے لیے'' نبی کریم ﷺ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں نبی کریم ﷺ کو تنگ کرنے نکلا۔ آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہوگئے اور نماز شروع کر دی۔ جس میں آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی میں کھڑا سنتا رہا، اور قرآن حکیم کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں اللہ کی قسم! یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝﴾

(الحاقه : ٤٠، ٤١)

''یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔''

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے میرے دل کی بات جان گیا۔اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

(الحاقه)

''یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ [1]

زمانۂ اسلام:

قارئین محترم! عام مؤرخین کی رائے کے مطابق سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا زمانہ ۷ ھ نبوی ہے یعنی نبوت کے ساتویں سال ایمان لائے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اس وقت تک مسلمانوں پر انتہائی ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً دعا کر کے حاصل کیا۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد جب نماز کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ ارقم میں ہی نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا۔لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''کہ ہم نماز بیت اللہ میں پڑھیں گے''۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں تو مشرک پڑھنے نہیں دیتے۔سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہم چلتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ کون ہمارا راستہ روکتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سیّدنا

---

[1] مسند احمد، ۱/ ۱۸، رقم: ۱۰۷.

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔اس طرح یہ مختصر سا قافلہ بیت اللہ پہنچا اور وہاں جا کے نماز ادا کی۔لیکن کسی کافر کو آگے بڑھ کر ان کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے "مَا كُنَّا نَقْدِرُ عَلَى اَنْ نُصَلِّيَ الْكَعْبَةَ حَتَّى اَسْلَمَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ" کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نہ ہوئے اس وقت تک ہمیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ جیسے ہی عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے مسلمانوں کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اسلام طاقتور ہی ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہی یہ قول بھی ہے۔ "مازلنا اعزة منذ اسلم عمر رضی اللہ عنہ" جب سے عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اس وقت سے ہماری طاقت وقوت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ان اقوال کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے۔کہ عمر رضی اللہ عنہ کیسا عظیم انسان تھا، اور بہادری اور دلیری کی دوسروں کے دلوں میں کس طرح دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی میں جرأت نہ ہوتی تھی جوان کے مقابلہ میں آتے۔

قارئین محترم! جس قدر مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس قدر ہی کفار کے مظالم بھی بڑھتے چلے گئے، اور خاص طور ان مظالم کا شکار کمزور اور غریب مسلمان ہوتے تھے۔مشرکین قریش کے مظالم صرف مذہب کی ہی حد تک نہ رہے۔ بلکہ ان مظالم میں سیاسی بائی کاٹ اور معاشی بائیکاٹ کی بھی صورت نے اختیار کر لی۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مظالم سے امیر وغریب سب ہی متاثر ہو رہے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے سن تیرہ نبوی میں ہجرت کی۔سن سات ہجری میں مسلمان ہوئے تھے۔۱۳ میں ہجرت کی تو گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶، ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے۔جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہو گئے، اور بارگاہِ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ

روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا نماز پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ (زرقانی :ج ا ص ۱۷۱ ۳) اس کا وقت آ گیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کیے جائیں نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی، اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ سیّدنا رسالت ﷺ نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی اور اسی وقت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا گیا اس طرح اسلام کا ایک شعارِ اعظم سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ [1] جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات و دیگر حالات:

مدینہ میں سب سے پہلے معرکہ بدر پیش آیا، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں رائے، تدبر، جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے، عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا ماموں ہوتا تھا، خود ان کے خنجر خارا شگاف سے واصل جہنم ہوا۔ (ابن جریر ص ۵۰۹ و استیعاب ترجمہ عمر بن الخطاب) یہ بات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، کافروں کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان.

اسی قدر گرفتار ہوئے۔ چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے، اس لیے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے لی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف رائیں دیں جن میں سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے، اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ عقیل کی گردن ماریں اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کردوں۔ رسول اللہ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمالی، اور ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے سخت سرزنش کرتے ہوئے فرمایا،

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۝﴾

(الانفال : ٦٧)

”نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں جائیں جب تک کہ ملک میں اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہوجائے۔“

یعنی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا۔ اس جنگ میں چونکہ کفار کا کافی نقصان ہوا تھا، اس وجہ سے وہ لوگ سکون سے نہیں بیٹھے، بلکہ بدلہ لینے کے لیے بے تاب رہے۔ چنانچہ شوال ۳ ھ میں اُحد واقعہ پیش آیا کہ جس میں کفار کی تعداد تین ہزار دوسو سوار اور سات سو ذرہ پوش تھے، جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔ آپ ﷺ نے سیّدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ ایک گھاٹی پر بیٹھایا کہ اس گھاٹی کو چھوڑنا نہیں۔ جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو شکست دے دی۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ رہے ہیں تو وہ تیر انداز نیچے اترنے لگے۔ سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود اکثر نیچے اُتر آئے۔ کفار نے پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کر دیا۔ خود رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوگئے۔ آپ ﷺ ایک گھڑے میں گر گئے جب جنگ کا

زور کم ہوا تو آپ ﷺ ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے تو وہاں سے کفار کے ایک لشکر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فرمایا، ''اللہ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں''، چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند انصار و مہاجرین کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بہادری وشجاعت سے آپ ﷺ کی جان کا خطرہ ٹلا۔ اسی طرح ۶ ھ میں زیارت کعبہ کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ خالی ہاتھ سفر کر رہے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اسلحہ منگوایا گیا۔ اس اسلحہ کی افادیت بعد میں صلح کی صورت میں سامنے آئی۔ اس اہم واقعہ میں بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پیش پیش رہے۔

چنانچہ بیعت کرنے میں اور جب کفار کی ایک شرط طبیعت اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف لگی تو فوراً جذبات میں آ گئے، اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دستخط ثبت کیے۔ اسی سفر میں ''سورۃ الفتح'' نازل ہوئی۔

آپ ﷺ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر سنائی اور فرمایا کہ مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے کہ مجھے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ [1] اس موقعہ پر بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی امتیازی شان وشوکت واضح ہے۔ ۷ ھ میں واقعۂ خیبر پیش آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی سالار مقرر ہوئے اور بعد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سالار بنا دیا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی پیش پیش رہے۔ جب اللہ نے فتح دی تو آپ ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدین میں تقسیم فرما دی، چنانچہ تمغہ نامی زمین کا ٹکڑا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔

۸ ھ کو فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس میں بھی پیش پیش تھے۔ چنانچہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے کے لیے آئے آپ ﷺ مردوں سے بیعت لیتے

---

[1] صحيح بخاری كتاب الاذان باب بدء الاذان.

تھے اور عورتوں کی بیعت کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

اسی سال فتح مکہ کے بعد ''ہوازن'' کی لڑائی پیش آئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس لڑائی میں بھی نہایت ہی ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ الغرض مدنی زندگی بھی انتہائی مصروف ترین زندگی اور جہد مسلسل سے تعبیر تھی کہ جس نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر کو صبر و استقلال کا پہاڑ بنا دیا تھا۔ کہ جس کا مشاہدہ آنے والے واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ کہ جب مَسند اقتدار پر جلوۂ افروز ہوئے تو وقت کی سپر پاوروں کو انتہائی مشکل حالات کے باوجود گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بڑے بڑے سورماؤں کو اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور امیر المؤمنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی استقامت اور اخلاص کی بدولت ہی تھا۔

فضائل سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب:

قارئین محترم! اسلام کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی خدمات انتہائی عظیم ہیں جن میں کچھ کا تذکرہ مختصراً ہم نے پچھلے صفحات میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہی خدمات کے صلہ میں دین اسلام میں ان کا ایک عظیم مقام ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خدمات کا اعتراف مختلف انداز سے کیا ہے۔ مثلاً کبھی یہ کہا کہ فاروق رضی اللہ عنہ الہامی شخص ہے، کبھی کہا کہ علم میں بڑا عظیم ہے، تو کبھی کہا کہ شیطان اس کے راستے میں کبھی نہیں آتا اور کبھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جنت جیسی عظیم نعمت کی بشارت سنا کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔

قارئین کرام! تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی معزز و محترم اور باکمال ہیں، لیکن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی سب سے زیادہ امتیازی خصوصیات خلفائے اربعہ کے اندر ہیں جن کی وجہ سے یہ خلفائے اربعہ آسمان صحابیت کا ماہتاب ہیں۔ کہ کوئی ستارا ان کا ہم رکاب نہیں ہے۔ انہیں میں سے ایک سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ ایسے خصوصی اوصاف پائے جاتے ہیں کہ جنہوں نے ان کی شخصیت کو دوسروں سے ممتاز کیا ہے۔ انہی اوصاف میں سے ایک وصف غیرت کا ہے۔ چاہے اس غیرت کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہو یا ایمانی زندگی سے۔ عمر رضی اللہ عنہ دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہی نظر آئیں گے۔ اور خود رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اس کی شہادت دی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ إِمْرَأَةِ أَبِي طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالَ: هٰذَا بَلَالٌ، وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُّ أَنْ اَدْخِلَهُ فَانْظُرُ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ عُمَرُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلَيْكَ اَغَارُ .)) [1]

''جب میں جنت میں داخل ہوا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رُمیصا کا سامنا ہوا۔ اور پھر میں نے قدموں کی آہٹ سنی تو میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام نے بتلایا یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک محل دیکھا، جس کے آنگن میں ایک دوشیزہ تھی۔ میں نے دریافت کیا، یہ کس کا محل ہے؟ تو انہوں نے بتایا، کہ یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ چنانچہ میں نے اس میں داخل ہونا چاہا، لیکن تمہاری غیرت کا خیال آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ غیرت کرتا؟''

غور فرمایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا خوبصورت جنتی محل دیکھنا چاہتا تھا، لیکن دیکھنے سے اس لیے رک گیا کہ مجھے تیری غیرت یاد آ گئی۔ اس لیے نہیں دیکھ سکا۔ الغرض سیّدنا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحاب النبی ﷺ، رقم: ۳۶۷۹، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۱۹۸.

فاروق رضی اللہ عنہ انتہائی غیرت مند واقع ہوئے تھے۔ کیونکہ غیرت ایمان ہے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ“ حیا تو ایمان ہے۔ یہ حیا معاشرتی اور دینی دونوں غیرتوں کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں ہی بدرجہ اتم موجود تھیں۔ چنانچہ دین کے معاملہ میں بھی انتہائی غیرت مند واقع ہوئے تھے۔ مجال ہے کہ کوئی دین اسلام کے خلاف کوئی بات یا کوئی کام کر جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً غصہ میں ہو جاتے۔ نسائی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ سیّدنا حصام بن حکیم رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفرقان کی تلاوت کی۔ اس کی تلاوت کا انداز وہ نہیں تھا کہ جس انداز اور لہجے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو فوراً ہی ان کی گردن میں کپڑا ڈال لیا اور اس کپڑے کو بھٹ دیتے رہے، یہاں تک کہ اس کا سانس لینا مشکل ہو گیا اور اُنہیں اپنے ساتھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! اس نے سورۃ الفرقان غلط پڑھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیّدنا حصام بن حکیم رضی اللہ عنہ تم سناؤ۔ اس نے سنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم سناؤ۔ اس نے سنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ قرآن کو سات لہجوں میں نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو جس لہجے میں بھی پڑھے وہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنے لہجے میں صحیح پڑھ رہا تھا اور تم اپنے لہجے میں صحیح پڑھ رہے ہو۔

اس واقعہ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت معلوم ہو رہی ہے۔ اس طرح سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کی طرف جاسوسی کا خط لکھا۔ پتہ چل گیا۔ تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں۔ کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! یہ بدری صحابی ہے، اور بدر والوں پر اللہ نے خاص فضل و احسان فرمایا ہے، اور ان کو کہا ہے کہ جو کچھ بھی تم کرتے رہے میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ [1] یہ واقع بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت کا ثبوت ہے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة رقم: ۲٤۹٥.

جنگ بدر کے قیدیوں (جو کہ مشرک تھے) کے بارے میں پوچھا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے رشتہ دار میرے حوالے کر دیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار، علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ اور جو جس صحابی کا رشتہ دار ہے وہ اُس کے حوالے کر دیں، ہم اپنے ہاتھوں سے ان کی گردنیں اڑائیں گے۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی مومن کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں ہے۔ چاہے کافر ان کا عزیز و قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر دیکھ لیں کہ سب سے زیادہ جس کو تکلیف ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی ہو رہی ہے۔ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

ان تمام واقعات سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت روز روشن کی طرح واضح ہے جس شخص میں غیرت دینی اور معاشرتی موجود ہو یقیناً وہ انسان بڑا ہی مبارک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار جنت کی بشارت سنائی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت دی جیسا کہ سابقہ حدیث سے واضح ہوتا ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں سب سے زیادہ پختہ تھے اور کوئی بھی چیز ان کو دین اسلام سے دور نہ کر سکتی تھی۔ اس کی شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے دی تھی۔ چنانچہ سیّدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ ، وَعَلَيْهِمْ قُمْصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ ، وَمِنْهَا مَادُوْنَ ذَالِكَ ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهُ ، قَالُوْا: فَمَا اَوَّلْتَ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ . قَالَ: اَلدِّيْنُ .)) [1]

"کہ ایک دفعہ دورانِ خواب میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ قمیصیں زیب تن کیے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٦٩١، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦١٨٩.

میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی قمیص سینے تک تھی اور کسی کی ذرا نیچے تک۔ پھر میرے سامنے عمر بن خطاب کو اس حال میں پیش کیا گیا کہ اپنی قمیص گھسیٹ رہے تھے، اصحاب رسول ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس کی کیا تاویل فرماتے ہیں؟ تو فرمایا، ''دینداری۔''

دین میں ایسی پختگی کی وجہ سے کوئی بھی آپ ﷺ کے دین کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا، بلکہ جس نے بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کے سلسلہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی وہ پاش پاش ہو گیا، اور کبھی بھی ان کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی جسارت نہ کر سکا، چنانچہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اِسْتَاذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ عَلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعِنْدَہٗ نِسْوَۃٌ مِنْ قُرَیْشٍ یُکَلِّمْنَہٗ وَیَسْتَکْثِرْنَہٗ عَالِیَۃٌ اَصْوَاتِھِنَّ فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ، فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَضْحَکُ، فَقَالَ: اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَجِبْتُ مِنْ ھٰؤُلَآءِ اللَّاتِیْ کُنَّ عِنْدِیْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَکَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ، فَقَالَ عُمَرُ: یَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِھِنَّ اَتَھَبْنَنِیْ وَلَا تَھَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقُلْنَ: نَعَمْ! أَنْتَ اَفَظُّ وَأَغْلَظُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ایْہٍ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَالَقِیَکَ الشَّیْطَانُ سَالِکًا فَجًّاقَطُّ إِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ)) ❶

''ایک دفعہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول معظم ﷺ کے حضور شرفِ باریابی چاہی جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ قریش کی خواتین بیٹھی، آپ ﷺ

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ۳۶۸۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، رقم: ۶۲۰۲.

کے سامنے (نفقہ کے معاملہ میں) اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اذنِ باریابی چاہا تو وہ اُٹھ کر پردے کے پیچھے چلی گئیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اللہ جناب کو ہمیشہ مسکراتا رکھے! چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے پاس موجود ان عورتوں کے رویہ پر متعجب ہوں کہ انہوں نے تمہاری آواز سنی تو پردہ کے پیچھے چھپ گئیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے کہا، اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے خوف زدہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہیں ہیبت نہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا: ہاں کیوں نہیں۔ آپ تند خو اور سخت مزاج ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابن خطاب جانے دیجیے! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب کبھی شیطان کا سرِ راہ تم سے سامنا ہوتا ہے، تو وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔''

غور فرمائیے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ سے بھاگتا ہے۔ اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال کر بھاگ جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان جانتا ہے کہ میں اس کو گمراہ کر ہی نہیں سکتا تو اس کے پیچھے پڑنے کا فائدہ۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا راستہ چھوڑ جاتا ہے۔

قارئین محترم! ایسا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں پختہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ علم کا سمندر تھے کیونکہ جس انسان کے پاس علم ہوتا ہے وہ شیطان کی چال بازیوں اور مکاریوں سے واقف ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو شیطان کے گمراہ کرنے سے بچا لیتا ہے اور جب انسان کے پاس دین کا علم اور صحیح معلومات نہ ہوں تو اس کا نتیجہ گمراہی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں نکلا کرتا۔ جیسا کہ آج امت مسلمہ کی عمومی حالت ہے اس کی وجہ دینی علوم سے دوری ہے جب تک دینی علوم سے رابطہ رہے گا۔ انسان کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگا اور نہ ہی شیطان کا مکر وفریب اس پر چل سکے گا۔ ایسا صرف اور صرف علم کی وجہ سے ہوگا۔ جیسا کہ سیّدنا

عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا کہ شیطان راستے میں آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، کیونکہ ان کے پاس علم تھا کہ جس کی ضمانت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِي فِي أَظْفَارِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الْعِلْمُ .)) ❶

''خواب کی حالت میں میرے پاس دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ میں نے اتنا پیا کہ اس کی طراوت میں نے اپنے ناخنوں میں محسوس کی۔ پھر اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا تاویل فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''دین کا علم۔''

اس طرح ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو الہامی شخص قرار دیا۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَلَقَدْ كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ .)) ❷

''تم لوگوں سے پہلی امتوں میں محدثون (الہامی) لوگ ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے، تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔''

قارئین محترم! اس حدیث میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو الہامی شخص قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دماغ میں صحیح بات ڈال دیتا ہے، تو غور فرمائیے کہ جس کی رہنمائی اللہ رب

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٦٨١، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦١٩٠.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٦٨٩، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٠٤.

العالمین کر رہے ہیں کیا وہ شخص کبھی گمراہ ہوسکتا ہے۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جو سیّدنا عمرو ابوبکر رضی اللہ عنہما کو گمراہ یا بے دین سمجھتے ہیں، یا ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

((وَافَقْتُ رَبِّی فِی ثَلٰثٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا مِنَ مَقَامِ إِبْرَاهِیْمَ مُصَلّٰی ، فَنَزَلَتْ "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِیْمَ مُصَلّٰی" وَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! یَدْخُلُ عَلٰی نِسَآئِكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَهُنَّ یَحْتَجِبْنَ ، فَنَزَلَتْ اٰیَتُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَآءَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْغَیْرَةِ فَقُلْتُ: عَسٰی رَبُّهٗ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ یُبْدِلَهٗ أَزْوَاجًا خَیْرًا مِنْكُنَّ فَنَزَلَتْ كَذٰلِكَ . وَفِیْ رِوَایَةٍ لِابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ: وَافَقْتُ رَبِّی فِی ثَلٰثٍ فِی مَقَامِ إِبْرَاهِیْمَ وَفِی الْحِجَابِ وَفِی أُسَارٰی بَدْرٍ .)) [1]

"میں نے تین معاملات میں اپنے رب سے موافقت کی۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، کاش ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناتے! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرما دیا۔ "تم مقام ابراہیم کو مستقل جائے نماز بنا لو۔" پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی بیویوں کے پاس آپ کے گھر بھلے اور برے لوگ آتے ہیں، کاش آپ انہیں حجاب کا حکم دیں! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرما دی۔ اور جب کچھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سوتنوں کے جھگڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکٹھ کیا تو میں نے ان سے یوں کہا تھا، "بعید نہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سب کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے گا جو تم سے بہتر ہوں۔" تو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٤٨٣، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٠٦.

بعینہٖ نازل فرما دیا۔''

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے پروردگار کی موافقت کی پہلی بات مقام ابراہیم کے بارے میں دوسری پردے کے متعلق، اور تیسری بات بدر کے قیدیوں کے بارے میں ہے۔

غور فرمایئے کہ رب تعالیٰ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات کا احترام فرماتا ہے جو عمر رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں، رب تعالیٰ اس کو قرآن بنا کر نازل فرما دیتا ہے۔ اس وجہ سے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے کہا تھا کہ قرآن نازل ہمارے گھر میں ہوتا ہے، لیکن ہوتا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہے۔ یعنی اللہ مہربان بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا خیال فرماتا ہے۔ کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ الہامی شخص تھے۔ کہ جس کے دل میں اللہ مسائل کو ڈال دیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اکثر و بیشتر صحیح ہوا کرتی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

((إِنِّی لَأَحْسَبُ عُمَرَ قَدْ ذَهَبَ بِتِسْعَةِ اعشارمِنَ العلم حِیْنَ ذَهَبَ .))

''کہ میں سمجھتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو دس میں سے نو حصے علم اپنے ساتھ لے گئے۔'' (المیزان)

ان اقوال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم کا، علم میں انتہائی پختہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا خوف بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ تھا۔ کیونکہ صاحب علم لوگوں کی صفت یہی ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۝﴾ (فاطر : ۲۸)

''کہ علما اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔''

چونکہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس علم بھی خوب تھا۔ اسی وجہ سے ڈرتے بھی بہت تھے۔ چنانچہ

درج ذیل واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

((قَرَءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ سُوْرَةُ الطُّوْرِ حَتَّى قَوْلِهِ تَعَالىٰ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ (٧:٥٢) فَبَكٰى وَاشْتَدَّ بُكَاءُهُ حَتَّى مَرِضَ وَعَادُوْهُ.)) [1]

''سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورۃ طور کی تلاوت فرما رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے ''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے'' تو رونے لگے، بہت روئے حتی کہ بیمار پڑ گئے، اور لوگ آپ کی عیادت کے لیے آنے لگے۔''

سیّدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو وہ سخت درد محسوس کرنے لگے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی تکلیف کو سمجھتے ہوئے کہا، یا امیر المومنین! آپ افسوس نہ کریں۔ بلاشبہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے اور آپ کی رفاقت بہت اچھی تھی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے جدا ہوئے تو وہ آپ سے خوش تھے۔ پھر آپ کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ نے ان کی بہت اچھی مصاحبت کی، اور جب سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے جدا ہوئے وہ بھی آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ رہے اور ان کا ساتھ بھی آپ نے اچھی طرح نبھایا اب اگر آپ ان سے جدا ہو رہے ہیں، تو یقیناً اس جدائی کے موقع پر وہ بھی آپ سے راضی ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جہاں تک تمہاری بیان کردہ باتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان کی خوشنودی سے تعلق ہے، تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اللہ نے مجھ پر فرمایا۔ اور اسی طرح سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اور خوش ہونے کا معاملہ ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا اور یہ جو آپ میری گھبراہٹ دیکھ رہے ہیں تو وہ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو میں اللہ کے عذاب کو

---

[1] الجواب الکافی: ص: ٧٧١.

محسوس کرنے سے پہلے ہی بطور فدیہ دے دیتا۔'' ❶

غور فرمایئے کئی دفعہ زبانِ نبوت سے جنت کی بشارت پانے والا کس قدر اللہ سے ڈر رہا ہے۔ کیونکہ یہی اللہ کے نیک بندوں کی پہچان ہے، جس کو قرآن نے کئی مقام پر بیان فرمایا ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کو کامیاب قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ٥﴾ (الرحمن: ٤٦)

''جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

مذکورہ اوصاف سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقام وفضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور اس کے باوجود بھی اگر کوئی فضیلت عمر رضی اللہ عنہ میں شک کرے۔ یقیناً وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مومنوں والی صفات اپنانے کی توفیق دے، اور ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خلافت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب:

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں ہم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے مقام پر کچھ روشنی ڈالی کہ جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک عظیم شخصیت تھے، اور انتہائی باہمت اور مضبوط قوت اعصابی کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ .))

''کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قوت ارادہ کی پختگی اور انتہائی ہمت و حوصلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ امور نبوت لوگوں تک پہنچانا بڑے ہی بہادر لوگوں کا کام ہے۔ یہ کمزور اور پست ہمت لوگوں کا کام قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کارہائے نبوت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ، رقم: ٣٦٩٢.

﴿إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (آل عمران: ٢٠٠)

''کہ بلاشبہ یہ کام بڑے ہی ہمت والے کاموں میں سے ہے۔''

اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ میں اتنی ہمت ہے کہ امور نبوت کو بھی اٹھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بڑے سے بڑے کام کی ذمہ داری بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر ڈالی جائے تو وہ اس کو ضرور نبھائے گا۔

اس لیے رسول مکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی کچھ ایسے اشارے فرمائے کہ جس سے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس امت کی باگ سنبھالیں گے اور امت محمدیہ کو خوب فائدہ پہنچائیں گے اور خلافت کا حق ادا کر دیں گے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِيْ عَلَى قَلِيبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِيْ قَحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذُنُوْبًا أَوْ ذَنُوْبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضِعْفٌ وَاللّٰهُ يَغْفِرْلَهُ ضَعْفَهُ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ اَرَعَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعُ عُمَرَ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غُرْبًا فَلَمْ اَرَعَبْقَرِيًّا يَفْرِيْ فَرْيَهُ حَتَّى رَوَى النَّاسُ وَضَرَبُوا بِعَطَنٍ .)) [1]

''دوران خواب میں نے اپنے آپ کو ایسے کنویں پر پایا جس کی منڈیر نہیں تھی۔ اس میں ایک ڈول تھا۔ میں نے اس کنویں سے جتنے اللہ تعالیٰ نے چاہے ڈول کھینچے۔ پھر اس ڈول کو ابن قحافہ نے تھام لیا۔ انہوں نے اس کنویں سے ایک یا دو

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٦٦٤، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦١٩٦.

ڈول کھینچے۔ لیکن ان کے کھینچنے میں کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائے اس کے بعد ڈول بڑے ڈول میں تبدیل ہو گیا، اور اس کو ابن الخطاب نے پکڑ لیا۔ میں نے انسانوں میں کوئی مضبوط، طاقتور شخص نہیں دیکھا جو عمر کی طرح ڈول کھینچتا ہو۔ اس نے اتنے ڈول کھینچے کہ سب لوگ جانوروں اور زمین سمیت سیراب ہو گئے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ڈول عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب نے لے لیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ڈول کی جسامت بہت بڑی ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کسی مضبوط ترین انسان کو ان جیسی قوت کے ساتھ کھینچتے نہیں پایا۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اور انہوں نے تالاب بھی بھر لیا۔''

اس حدیث پر غور فرمایئے جو کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی واضح دلیل ہے۔ لیکن سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب یہی رکھی ہے۔ فرمایا:

''سب سے پہلے میں نے کنویں سے پانی کھینچا، پھر ابوبکر نے اور اس کے بعد عمر نے۔''

غور فرمایئے کہ جس کام کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس کام کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، پھر اسی کام کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، اور وہ کام ہی لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے۔ خلافت کہ میں نے دنیا میں رہ کر لوگوں کی بھلائی کے کام کیے۔ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے پھر اس کے بعد عمر ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے، وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے اور محسوس کر لیا کہ اب بیماری سے صحت یاب ہونا مشکل نظر آتا ہے، تو انہوں نے اپنا جانشین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کر دیا۔ اس انتخاب پر اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور تشدد کے بارے میں سب کو تامل تھا، اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ جیسا کہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن

عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے استحقاق میں کسی کو شک نہیں ہے، لیکن اس کی سختی سے ڈر لگتا ہے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے خیال میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ بہتر ہے۔ سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی شکایت کے انداز میں کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں اب آپ رب کے پاس جا رہے ہو، اور انتہائی سخت آدمی کو خلیفہ بنا کے جا رہے ہو۔ رب کو کیا جواب دو گے، تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

''رب سے کہوں گا اللہ تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر اور اچھے انسان کو اپنا جانشین بنا کر آیا ہوں۔''

اس کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے متعلق وصیت لکھنے کو کہا۔ پس وصیت لکھوا رہے تھے کہ بے ہوش ہو گئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنی طرف سے ہی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام وصیت میں شامل کر دیا، دراصل انہیں معلوم تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کو ہی خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ مجھے وصیت پڑھ کر سناؤ۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا تو جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام مبارک آیا تو کہہ اٹھے، اللہ اکبر! اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم نے میرے دل کی بات لکھ ڈالی ہے۔ (طبقات ابن سعد ۳/۴۳)

چنانچہ اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۱۳ھ جمادی الاول کے آخر میں وہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

قارئین محترم! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی مسند پر بیٹھ کر جو گرانقدر خدمات سرانجام دیں، اس سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حسن انتخاب کی داد دینا پڑھتی ہے کہ اُن کی باریک بین نگاہیں وہ کچھ دیکھ رہیں تھیں جو عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ چنانچہ سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے ان مہمات کو پورا کروایا جو خلیفہ اول کی وفات کے وقت ادھوری تھیں۔ تو سب سے پہلے عراق کی مہم کی طرف توجہ دی اور اس کو اسلامی

سلطنت کا حصہ بنایا۔ حالانکہ سوچ اور فکر لوگوں کی یہ تھی کہ چونکہ عراق حکومت فارس کا پایا تخت ہے، اس وجہ سے اس کا فتح کرنا مشکل، بلکہ ناممکن ہے، لیکن سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی پر جوش تقریر نے لوگوں کی سوچ کو بدل دیا اور لوگ جذبۂ جہاد سے سرشار ہو گئے تھے، جس کا نتیجہ عراق کی فتح کی صورت میں سامنے آیا۔ اگرچہ ایرانیوں نے اس کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ بڑے بڑے جرنیل آزمائے گئے، لیکن کوئی مسلم سیل رواں کے سامنے بندھ نہ باندھ سکا۔ بالآخر اس سیل رواں میں تمام ایرانی جرنیل بہہ گئے۔ لیکن عراق کو مفتوح ہونے سے نہ بچا سکے۔ عراق سے چلی ہوئی یہ جنگ کی فضا قادسیہ تک جا پہنچی۔

قادسیہ کی یہ جنگ انتہائی خونریز جنگ تھی ''رستم'' جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا ساٹھ ہزار فوجی جوان لے کر قادسیہ کے مقام پر مسلمانوں کے مقابل آیا۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج بہت کم تھی، لیکن مسلمانوں میں جذبہ ایمانی موجود تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کرنے سے باز نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہوئے چھ ہزار تازہ دم سپاہی مزید ان تک پہنچا دیے۔ جو شام کی مہم سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ مزید برآں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بیش قیمت تحائف بھی اپنے قاصدوں کے ذریعہ مجاہدین کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجے کہ جو بھی آج اسلام کے دفاع کا حق ادا کرے گا یہ تحائف انہی کے لیے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کا جوش و جذبہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ جب جنگ ہوئی تو باوجود قوت افرادی قلیل ہونے کے مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ کفار کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا اور رستم جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا اپنا محل چھوڑ کر بھاگ رہا تھا کہ مجاہدین نے پکڑ لیا، اور اس کا سامان وغیرہ لوٹ کر فوج کے سپہ سالار سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد بھی ایرانیوں کے ساتھ کچھ معرکے ہوئے، تاہم کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکا اور شکست سے دوچار ہو کر تاریخ سے اپنا نام ونشان مٹا گئے۔

قارئین محترم! فتوحاتِ فارس سے فارغ ہونے کے بعد پھر شام کی طرف متوجہ ہوئے۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام کے کچھ علاقے فتح ہو چکے تھے اور دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید سیف اللہ نے رجب ۱۴ھ کو اپنے حسن تدبیر سے دمشق کو بھی فتح کر لیا۔ رومیوں کو اس شکست سے کافی تکلیف ہوئی تو انہوں نے چاروں طرف سے فوجیں ''مقام بیسان'' میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جمع کر لیں۔

عیسائیوں کی درخواست پر مصالحت کے لیے سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، لیکن مصالحت نہ ہو سکی۔ آخر کار ذی قعدہ ۱۴ھ کو ''فحل'' کے میدان میں کئی ایک خونریز معرکے ہوئے، لیکن میدان مسلمانوں کے ہی ہاتھ رہا۔ (طبری، ص: ۲۱۵۸)

اس کے بعد میدان یرموک میں بھی مسلمانوں کا عیسائیوں سے مقابلہ ہوا، تاہم مسلمانوں کو ہی کامیابی ملی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب یرموک کی فتح کی خبر پہنچی تو فوراً سجدہ میں گر گئے، اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے بہت سے علاقوں کو فتح کیا۔ بیت المقدس، فلسطین کی مہم پر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مامور تھے، انہوں نے کئی ایک علاقوں کو فتح کر لینے کے بعد ۱۶ھ کو بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اس دوران سیّدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ان سے مل گئے۔ عیسائیوں نے کچھ دنوں تک تو مدافعت کی، لیکن بعد میں مصالحت پر آمادہ ہو گئے اور اپنے اطمینان کے لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ تحریر کریں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی گئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے رجب ۱۶ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (طبری ۴۔۲۴) سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سفر انتہائی سادگی کے ساتھ کیا تھا اس سفری ضرورت سے فارغ ہو کر بیت المقدس سے واپسی پر تمام سرحدوں کا دورہ کیا۔ بخیر و عافیت مدینہ تشریف لے آئے۔

فتوحات مصر:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ و بن العاص نے بہ اصرار سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر چار

ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، ارفرما بلبیس اورام ونین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو امدادی فوج کے لیے لکھا، انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے، سیّدنا زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمر، سلمہ بن المخلد رضی اللہ عنہم، سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ سات مہینے کے بعد زبیر رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا، اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں، مقام کربوں میں ایک سخت جنگ ہوئی۔ یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا، اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کرلیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مُژدۂ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (مقریزی، ص: ۲۶۷)

فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا، اور بہت سے قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

قارئین محترم، اتنی زیادہ فتوحات اور اتنے بڑے ملک کے حکمران ہونے کے باوجود کسی قسم کا تکبر اور غرور قریب نہ آیا، اور نہ ہی کسی قسم کی کسی کے ساتھ زیادتی کی اور نہ کسی کو زیادتی کرنے دی، اس وجہ سے عدل و انصاف خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کا زرین ترین وصف ہے۔

عدل وانصاف:

قارئین محترم، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بڑے منصف اور سخت طبیعت کے مالک تھے، جیسا کہ ہم پہلے بھی کچھ واقعات کی مناسبت سے پہلے بھی واضح کر چکے ہیں۔ اور اس چیز کا اظہار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ نامزد کیے جانے کے موقعہ پر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سخت رویہ کو اس لیے قبول کرلیا تھا کہ وہ اپنے اس انداز میں کسی سے بھی امتیازی سلوک نہیں کرتے، بلکہ جو بھی زیادتی کرتا اس کو اس کی سزا ضرور دیتے تھے۔ چاہے زیادتی کرنے والا کوئی ان کا قریبی رشتہ دار ہو یا وہ اُن کی حکومت کے کسی عظیم منصب پر فائز ہو۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انصاف کرتے ہوئے کبھی بھی کسی چیز کو انصاف کی راہ میں رکاوٹ بننے نہیں دیا، بلکہ ہر ایک کے لیے ایک قانون تھا۔ چاہے کوئی بڑے سے بڑے خاندان کا فرد ہو چاہے غریب سے غریب تر شخص ہو۔ سب کے لیے قانون یکساں تھا چنانچہ ایک دفعہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی مضروب سے ان کو کوڑے لگوائے، سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے دونوں باپ بیٹا خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھتے گئے اور دم نہ مار سکے۔ (کنز العمال، ۶/۳۳۵)

جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا۔ جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زید کی تنخواہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ سیّدنا عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ، اسامہ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔'' [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پیرانہ سال کو گدا کرتے دیکھا، پوچھا تو بھیک مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے۔ حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں۔ (کتاب الخراج ص:۷۲)

عربسوس کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلاوطن کیا گیا، مگر اس طرح کہ ان کی اَملاک کی دوچند قیمت دی گئی۔ (فتوح البلدان ص۱۶۳) نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن

---

[1] مستدرك حاكم، ۳/۵۵۹، رقم: ٦٤٢٦، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

کیا گیا تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا۔ (طبری، ص: ۲۱۶۲)

شہادت:

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابولولو تھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی۔ شکایت بے جا تھی اس لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے گر پڑے اور سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ [1]

یہ ایسا زخم کاری تھا کہ اس سے آپ رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہو سکے لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک صاحب کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے، ان لوگوں کے نام یہ ہیں۔ سیّدنا علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔ [2]

اس کے بعد انصار و مہاجرین کے بارے میں کچھ وصیتیں فرمائی اور اپنے بیٹے عبداللہ کو کہا کہ جو مجھ پر قرض ہے اس کو مال متروکہ سے ادا کر دیا جائے، لیکن اگر پورا نہ ہو سکے تو عدی کے خاندان سے درخواست کرنا اگر ان سے بھی قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش کو کہنا۔ ان کے علاوہ دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ حالت تھی ان کی معیشت کی کہ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود مقروض ہیں، اور اتنا مال بھی نہیں ہے کہ جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکے۔ آخر کار اسلام کے عظیم ہیرو قیصر و کسریٰ کو شکست دینے والے عظیم مفکر و مدبر امت مسلمہ کے ہمدرد و غم خوار

[1] مستدرك حاكم، ۳/ ۹۰، رقم: ٤٥٦٨.
[2] مستدرك حاكم، ۳/ ۹۲، رقم: ٤٥٧٥.

ضروری وصیتیں فرمانے کے بعد مزید تین دن زندہ رہے۔ بالآخر داعیٔ اجل کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے یکم محرم بروز ہفتہ ۲۴ھ کو اپنا رختِ سفر باندھ لیا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر کروٹ کروٹ رحمت و برکات کا نزول فرمائے، آمین۔



خلیفہ سوئم

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ذوالنورین

دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے کہ جس پر چلنے والا دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ یہ ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ اس کو پہنچانے میں سب سے زیادہ قربانیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے دی ہیں۔ جنہیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس مقدس گروہ نے دین اسلام کی آبیاری کے لیے اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا۔ لیکن جس سے جو بن پایا وہ اس نے ہمت و طاقت سے بڑھ کر کیا۔ اس مقدس گروہ کا ایک عظیم ترین فرد کہ جس نے اسلام اور مسلمانوں کی بقا کے لیے اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا، اور پھر جب اسلام کو ان کی جان کی قربانی کی بھی ضرورت پڑی تو بڑے ہی استقلال وصبر کے ساتھ اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیا، تاکہ کسی طرح امت مسلمہ اختلاف وانتشار سے بچ جائے۔

نام، نسب اور خاندان:

اس مقدس ومحترم ہستی مطہر کا نام نامی اسم گرامی جناب سیّدنا امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ذوالنورین ہے، جن کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے:

عثمان نام، ابوعبداللہ اور ابوعمر کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروٰی تھا۔ والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے کہ عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی القرشی۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے کہ اروٰی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس

بن عبد مناف، اس طرح سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی بیضاء ام الحکیم سیّدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس لیے وہ ماں کی طرف سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی رشتہ دار ہیں۔(فتح الباری کتاب المناقب)

آپ رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین (دونوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت واقتدار رکھتا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کے جد اعلی امیہ بن شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔خلفائے بنوامیہ اسی امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہوکر امویین کے نام سے مشہور ہیں۔عقاب یعنی قریش کا قوی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا۔ جنگ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا۔اسی طرح ابوسفیان بن حرب، جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا، اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے۔غرض سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان شرافت ، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنوہاشم کے سوا دوسرا کوئی خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

مذکورہ واقعات ان کی سیادت و قیادت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ان کے بزرگوں نے ہمیشہ ہی سیادت و قیادت کا فریضہ انجام دیا ہے۔جو ان کی عزت وشرف کا پتہ دیتا ہے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ واقعۂ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے۔ بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارت و کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت ، دیانت اور راست بازی کے باعث غیر معمولی

فروغ حاصل کیا۔

قبولِ اسلام:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی۔ گو ملکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی۔ تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ واشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقۂ احباب میں تلقین وہدایت کا کام شروع کیا۔ ایام جاہلیت میں ان کا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ارتباط تھا اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ کی جنت قبول کر۔ میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ وصاف جملوں میں اللہ جانے کیا تاثیر رکھی تھی کہ میں بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (اصابہ، ج ۸)

شادی:

قبول اسلام کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ شرف حاصل ہوا کہ جو ان کی کتاب منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور اپنی کی منجھلی بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اعلان نبوت کے بعد جس فرد و

بشر سے محمد رسول اللہ ﷺ نے رشتہ داری قائم کی ہے وہ بنو امیہ کا یہی چشم و چراغ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں کہ جو ان کی عزت و شرف کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حبشہ کی طرف ہجرت:

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم وستم کا نشانہ تھے انہیں خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا۔ اعزہ واقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی اور بالآخر خود نبی کریم ﷺ کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے، چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق وصداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، اس لیے پریشان خاطر تھے۔ ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ عُثْمَانَ اَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ بِأَهْلِهِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ .)) [1]

”میری امت میں عثمان پہلا شخص ہے، جو اپنے اہل وعیال کو لے کر جلا وطن ہوا۔“

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان ابراہیم خلیل اللہ کے بعد پہلا شخص ہے کہ جس نے دین کی وجہ سے بمعہ اپنے اہل وعیال گھر بار چھوڑا ہے۔

اس ہجرت حبشہ کے بعد پھر جب دوبارہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے جو کہ بڑے ہی فضل کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

---

[1] اصابہ جلد: ۸.

((اِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ .))

''کہ ہجرت پہلے کے تمام قسم کے گناہوں کے خاتمہ کا سبب ہوتی ہے۔''

اس حیثیت میں بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک عظیم مقام کے حامل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دونوں ہجرتیں کی ہیں۔ جبکہ یہ شرف بہت کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا تھا۔ مدینہ کی زندگی مکہ کی زندگی سے مختلف تھی ۔ اس لیے کہ یہاں اسلام محکوم نہیں بلکہ آزاد تھا۔ لیکن یہاں کچھ پریشانیاں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مکہ والوں کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ معیشت پر یہود کا کنٹرول تھا۔ یہودی اسلام کے دشمن تھے انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا پکا پروگرام بنا رکھا تھا۔ اس پروگرام کے تحت یہودیوں نے انصار صحابہ کرام کو نوکریوں سے نکال دیا۔ جس سے انصار کی معیشت انتہائی کمزور ہوگئی اور پھر اوپر سے مہاجرین کا بوجھ بھی۔ اس پر مشکل یہ بھی کہ یہودیوں نے ''بئر رومہ'' کا پانی انتہائی مہنگا کر دیا جو عام مسلمانوں کی پہنچ سے دور تھا اور پانی کا بھی بس یہی کنواں تھا۔ اس کے علاوہ پانی کا کوئی ذریعہ نہ تھا، کیونکہ پانی پینے کے لائق اسی کنویں کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیفیت دیکھی تو بڑے پریشان ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھے کر کے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

جو کوئی اس کنواں کو مسلمانوں کے لیے خریدے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بدلے جنت دے گا۔ تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنا چاہا۔ لیکن یہودی (جو کنویں کا مالک تھا) اس کے لیے تیار نہ ہوا، کیونکہ یہود مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے عادی ہیں ۔ بڑی کوشش کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ ایک دن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی تھی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے

تھے کہ دو دن تک پانی کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا، تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس طرح اسلام میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا، جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔

غزوات و دیگر حالات:

ہجرت مدینہ کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کو سکون واطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا۔ اور اب تحقیر وتذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف وہراساں ہو کر تیر وتفنگ اور تیغ وسنان کی قوت سے اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ ۲ھ سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ فطرتاً سپاہیانہ کاموں کے لیے پیدا نہیں ہوئے تھے، تاہم وہ اپنے محبوب ہادی طریقت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جانثاری وفداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوۂ بدر اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت:

کفر واسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے قاصر رہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں تھیں۔ اس لیے نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا اور فرمایا: تم کو شرکت کا اجر اور مال غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا۔ [1] اور خود تین سو سترہ قدوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا یہ مرض درحقیقت پیام موت تھا۔ غمگسار شوہر کی جانفشانی وتندہی سب کچھ کر سکتی ہے، لیکن قضائے الٰہی کو کیونکر رد کرتی۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پا گئیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۶۹۹.

سیّدنا عثمان اور سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہما بن زید اس ملکہ جنت کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ نعرہ تکبیر کی صدا آئی۔ دیکھا تو سیّدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آرہے تھے۔ محبوب بیوی اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے، کچھ اسلام کی پہلی امتحان گاہ (بدر) سے محرومی کا بھی افسوس تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا اب اس قدر رنج وغم سے کیا فائدہ؟ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا افسوس! میں جس قدر اپنی محرومی قسمت پر ماتم کروں کم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی۔ افسوس! کہ میرا رشتہ خاندانِ رسالت سے کٹ گیا۔ (کنز العمال، ۶/ ۳۷۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی فرمائی اور چونکہ انہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا تھا، جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مجاہد قرار دیا، اور بدر کے مال غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ بھی ان کو عنایت فرمایا، اور بشارت دی کہ وہ اجر وثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے، اس سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا اور خاندان رسالت سے دوبارہ ان کا تعلق قائم ہو گیا۔ یہ اتنا بڑا اشرف ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کسی بھی پیغمبر کے کسی بھی امتی کو حاصل نہیں ہوا۔ جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا ہے۔ رب تعالیٰ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہی لکھا تھا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے) اسی فضل کا نتیجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیٹی بھی ان کے نکاح میں دے دی۔

غزوۂ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے سب میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، اور ہر موقع پر

اپنی اصابت رائے اور جوش وثبات کے باعث آپ ﷺ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

غزوۂ اُحد:

شوال ۳ھ میں جب غزوۂ احد پیش آیا تو پہلے غازیان دین کے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا۔ لیکن وہ مسلمان تیر انداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان اس سے غافل تھے، اس لیے ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے اور منتشر ہو گئے۔ اسی اثنا میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے۔ سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھے، وہ متحیر ہو کر رہ گئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگ احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقی سانحہ تھا جو مسلمان تیر اندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا۔ تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا۔ خصوصاً سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت پشیمان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے عفو عام کی بشارت دے دی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾

(آل عمران: ۱۵۵)

''اور تم سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے موقع پر پشت دکھا دی، حقیقت میں شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلہ میں پھسلا دیا ہے۔ اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑا حلم والا اور معاف کرنے والا ہے۔''

دیگر غزوات:

غزوۂ اُحد کے بعد ۴ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ نبی کریم ﷺ جب اس مہم میں

تشریف لے گئے تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا۔ (طبقات ابن سعد)

پھر بنو نضیر کی جلاوطنی عمل میں آئی۔ اس کے بعد ۵ ھ میں غزوۂ خندق کا معرکہ پیش آیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام مہمات میں شریک تھے۔ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادہ پرخاش ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے مصالحت کے خیال سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمات:

یہ مکہ پہنچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی دن گذر گئے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا، اسی بات پر افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے انتقام کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی، اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت لی۔ یہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تاج فخر کا وہ طرۂ شرف ہے کہ جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا، اور اس کے ساتھ ساتھ چودہ سو کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا سبب بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی بنے۔ کیونکہ انہی کی وجہ سے ان سے بیعت لی گئی تھی۔ اللہ رب العزت کو وہ بیعت کرنے والے اتنے پسند آئے کہ سب کے لیے اپنی رضا مندی کو واجب کر دیا۔ یہ سب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوا جو کہ اُن کے لیے بڑا افضل ہے۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان نہیں کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۶۹۹، سیرۃ ابن ہشام.

لیکن درحقیقت یہ بیعت تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے خون کے انتقام کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہوسکتا ہے۔ آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہوکر مصالحت کر لی اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔

۷ھ میں معرکہ خیبر پیش آیا۔ پھر ۸ھ کو مکہ فتح ہوا۔ اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی۔ یہ غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

غزوۂ تبوک اور تجہیز جیش عسرۃ:

۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس کا تدارک ضروری تھا۔ لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی اور اپنے اصحاب کو جنگی سامان کے لیے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک متمول تاجر تھے اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا۔ اس لیے انہوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لے لیے۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے۔ اس بنا پر گویا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لیے سامان مہیا کیا، اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپے سے خریدا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے۔

((مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ .))[1]

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۰۱، مستدرك حاكم ۳/ ۱۰۲، رقم: ٤٦٠٩، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی کام اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

یہ حدیث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی برأت کی نص ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا کام ہو نہیں سکتا کہ جو اُن کے نقصان کا سبب بن سکے۔

محترم قارئین! زبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو شہادت ملے آپ رضی اللہ عنہ کی پارسائی کی، لیکن ہمارے جدید مفکر اپنی عجیب وغریب منطق کے ساتھ اس پر اعتراض کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کیسی عقل مندی ہے کہ زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اعتبار نہ ہو۔لیکن تاریخ کی جھوٹی روایات اور اپنے من گھڑت اصولوں پر انتہائی اعتماد ہو۔ یقیناً یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

عقل مند قطعاً ایسا نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ عقل مند تو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی یقین کرتا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو عثمان رضی اللہ عنہ کی پارسائی کی ضمانت دیتی ہے۔ کیونکہ اُن کی دین کے لیے خدمات ہی اتنی ہیں کہ جن کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں محسوس کررہے ہیں کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی پڑ رہی ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص مسجد کی توسیع کر دے، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ یہاں بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ فرمایا کہ یہ کام بھی میں کرتا ہوں۔ چنانچہ اپنی جیب سے زمین خرید کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع کی۔ آج بھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی زندہ تصویر بنی ہوئی ہے جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی یاد دلاتی ہے۔

انہی خدمات کی وجہ سے دربارِ نبوی میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خاص مقام حاصل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی قدر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا تھا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا: میں اس کا جنازہ نہیں پڑھاتا۔ غور فرمایئے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر

عثمان رضی اللہ عنہ کا خیال کرتے ہیں کہ جو عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جنازہ پڑھانا گوارہ نہ کریں۔ لیکن آج عجیب حالت ہے۔ مسلمان بھی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں بھی دیتے ہیں۔۔ ان کی برائیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی قربانیوں کا حق تو یہ تھا کہ ان کے شکر گزار بنتے اور ان کے لیے دعائیں کرتے۔ کیونکہ یہ اُنہی کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہیں۔ (الحمدللہ)

فضیلت:

کسی بھی شخص کا صحابی ہونا ہی اتنا بڑا شرف ہے کہ ساری دنیا بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے کوئی اس شرف کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے شب و روز رسول اللہ کے ساتھ گزارے ہیں، اور تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے لگایا، اور اپنے ماتھے پہ سجایا ہے، اور اس کے لیے جو قربانیاں انہوں نے پیش کی ہیں، وہ بس انہی کا مقدر اور نصیب ہے۔ شاید کوئی اور جماعت ان قربانیوں کی مثال قیامت تک نہ پیش کر سکے۔ اس بات کی طرف اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

((فَلَوْ أَنَّ اَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا ما بَلَغَ مُدَّا أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ.)) [1]

"کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے، تو اس کا یہ سونا خرچ کرنا (میرے) ان صحابہ کے ایک پاؤ یا آدھا کلو (جو) کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔"

یہ فرمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص اور قربانیوں کا اعتراف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سارے ہی افضل ہیں، لیکن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تمام پر بھی فضیلت حاصل ہے، اور یہ فضیلت ان کے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۶۷۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٤٨٨.

یہ ایسی عظیم شخصیت ہیں کہ جن کی بعض امتیازی فضیلتوں اور حیثیتوں میں کائنات کا کوئی دوسرا فرد شریک نہیں ہے۔ اور وہ امتیازی خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ان کو یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں نکاح میں دیں ہیں۔ یہ اتنا بڑا اشرف ہے کہ اس شرف میں کائنات کا کوئی فرد و بشر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہمسر نہیں ہے۔

قارئین محترم! رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد جس شخص سے رشتہ داری قائم کی اور جس کو اپنی دامادی کے لیے منتخب کیا ہے، وہ یہی بنو امیہ کا چشم و چراغ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ بنی ﷺ کا ان کو اپنا داماد بنا لینا ہی سب سے بڑا اشرف اور ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کوئی شخص جب کہیں رشتہ کرنا چاہتا ہے تو لڑکے والوں اور لڑکے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتا ہے کہ کہیں ہمارے ساتھ فراڈ نہ ہو جائے۔ کہیں لڑکا بدچلن نہ ہو جو بعد میں پریشانی کا باعث بنے۔ الغرض ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد پھر رشتہ قائم کیا جاتا ہے۔ تو ذرا سوچیے کہ جس سے نبی مکرم ﷺ رشتہ کرنے جا رہے ہوں وہ کیسا ہو گا۔ جبکہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی بھی مل رہی ہے، پھر بھی عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی نگاہ میں اس سے عظیم کوئی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیٹی کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری بیٹی کا رشتہ بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی دیا ہے۔ جو ان کے عظیم سے عظیم تر ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ غلط آدمی کو کوئی بھی شخص اپنی دامادی کے لیے پسند نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کبھی نبی مکرم ﷺ کو اپنے کردار سے ان کی بیٹیوں کے بارے میں تکلیف نہ دی، بلکہ کبھی اس کا تصور تک نہ ہونے دیا۔ اس عظیم انسان کے بارے میں غلط نظریات وعقائد رکھنے والا بدبخت تو ہو سکتا ہے، کبھی نیک بخت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اچھے لوگوں سے نفرت کرنے والے بدبخت ہی ہوا کرتے ہیں اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو ویسے ہی جنتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی خود ضمانت دی ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِيْنَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "اُفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهُ فَإِذَا أَبُوبَكْرٍ فَبَشَّرْتُهُ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَحَمِدَ اللّٰهُ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ، فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "اُفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهُ، فَإِذَا هُوَ عُمَرُ، فَاَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَحَمِدَ اللّٰهُ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِيْ: "اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ." عَلَى بَلْوَى تُصِيْبُهُ فَإِذَا عُثْمَانُ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، فَحَمِدَ اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.)) [1]

''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھولنے کی استدعا کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دو۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ یہ ابوبکر تھے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق میں نے ان کو خوشخبری دی۔ اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا اور دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ نے اس کے لیے بھی دروازہ کھولنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ اس کو بھی جنت کی خوش خبری دو۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھول دیا۔ اور یہ عمر تھے، میں نے انہیں نبی ﷺ کے ارشاد سے مطلع فرمایا، تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور شکر ادا کیا۔ پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ مجھے آپ ﷺ نے دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اسے بھی جنت کی بشارت دو البتہ انہیں بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دروازہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۶۹۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۱۲.

کھولنے پر عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خوش خبری دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکرانے کے بعد فرمایا، اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔''

ایک اور حدیث میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَعِدَ أُحُدًا وَ مَعَهُ أَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: "اثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَ صَدِّيْقٌ وَ شَهِيْدَانِ .)) [1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان اُحد پہاڑ پر چڑھے تو وہ کانپنے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں اس پر مارتے ہوئے فرمایا، اُحد ٹھہر جاؤ! کیونکہ تجھ پر ایک پیغمبر، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

یہ دونوں احادیث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کامیاب ترین شخص قرار دے رہی ہیں۔ کیونکہ جنت میں ناکام آدمی داخل نہیں ہوگا۔ اور مذکورہ حدیث نے یہ بھی خبر دی کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کوشش و کاوش دین کے لیے ہوں گی۔ باطل کے لیے نہیں، کیونکہ باطل کا ساتھ دینے والا کبھی شہید نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنی آنکھیں کھولنی چاہیے کہ جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت داغ دار ہوتی تو پھر یہ شہید قرار نہ پاتے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید قرار دے کر ہر کسی کی زبان کو بندھ کر دیا ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف کھلتی ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی اپنے کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ جو لوگ جھوٹی روایات کا سہارا لے کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے کی کوشش

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ٣٦٨٦.

کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ کوشش انتہائی غلیظ ہے، کیونکہ ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو کہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اہل حق ان کی حقیقت کو جانتے ہیں اور حقیقت کا ساتھ دیتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عثمان بن عبیداللہ بن موہب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''اہل مصر میں سے ایک شخص حج کے ارادہ سے آیا اس نے کچھ لوگوں کو ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے پایا۔ تو اس نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا ان کا سردار کون ہے؟ انہوں نے بتایا عبداللہ بن عمر۔ اس نے عبداللہ بن عمر سے عرض کیا، میں آپ سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں مجھے آپ ان کا جواب دیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان جنگ اُحد میں شریک نہیں ہو پائے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ہاں۔ پھر اس نے پوچھا، کیا آپ کے علم میں ہے کہ وہ جنگ بدر میں بھی شریک نہیں ہو پائے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس شخص نے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں بھی حاضر نہ تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ہاں۔ اس شخص نے تعجب سے کہا: اللہ اکبر۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ آیئے، میں آپ کو اصل حقیقت بیان کروں۔ چنانچہ احد میں شریک نہ ہونے سے متعلق فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔ (آل عمران: ۱۵۵)، جہاں تک بدر سے ان کی غیر حاضری کا تعلق ہے تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں اور وہ سخت بیمار تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں جنگ بدر میں ایک شریک کے برابر ثواب اور مالِ غنیمت سے حصہ ملے گا، اور جہاں تک بیعت رضوان سے ان کے غیر حاضر ہونے کا تعلق ہے تو اگر مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ

کوئی اثر ورسوخ والا ہوتا تو آپ ﷺ اس کو بھیجتے۔ پس رسول اکرم ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور بیعت رضوان عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور اس کو دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت ہے۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب اس وضاحت کو اپنے ساتھ لے کر واپس جاؤ۔'' [1]

غور فرمایئے، سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے باطل کا منہ کس طرح بند کیا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کس خوبصورت انداز میں کیا اور ہمیں یہ بھی بتلا گئے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اٹھنے والے کسی بھی اعتراض میں کوئی دم خم نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب جھوٹ اور تعصب کا پلندہ ہیں۔ جن سے ہر مومن اور مسلمان کا بچنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان کے فضائل ومحاسن رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اطہر سے ثابت ہیں۔

خلافت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت انتہائی عظیم شخصیت ہے کہ جس کا اندازہ پچھلی احادیث سے بھی ہو گیا ہوگا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ انہیں امت نے اپنا پیشوا وامام بنایا تھا۔ یقیناً امت کسی غلط آدمی کو اپنا امام وپیشوا نہیں بنا سکتی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا متفق علیہ کا امام بننا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک عظیم انسان ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دس برس خلافت کے بعد ۲۳ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدہ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔ سیّدنا علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ، رقم: ۳۶۹۹.

پر بحث ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو پایا۔ آخر تیسرے دن سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے۔ لیکن اس کو تین اشخاص تک محدود کر دینا چاہیے، اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے۔ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی۔ سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کا نام لیا، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ دو آدمیوں پر منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین رضی اللہ عنہ کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ سیّدنا علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ اس پر ان دونوں کی رضا مندی لینے کے بعد عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہوئے۔ سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے ایک مختصر لیکن مؤثر تقریر کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ غرض چار محرم ۲۴ھ دوشنبہ کے دن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اتفاق عام کے ساتھ مسند نشین خلافت ہوئے اور دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

مسند خلافت پر جلوہٴ افروز ہونے کے بعد تقریباً ایک سال تک سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نظم ونسق میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، بلکہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہٴ حکومت کے مطابق ہی حکومت کرتے رہے۔ لیکن خلیفہٴ سابق کی وصیت کے مطابق سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی جگہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ پہلی تقرری تھی جو خلیفہ ثالث کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی بوقت ضرورت حکومتی نظام کی اصلاح کے لیے تبدیلیاں کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو کارہائے نمایاں ملکی فتوحات کے سلسلہ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دیے ان کی مثال

ملنا مشکل ہے۔عموماً یہ بات معروف ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے حکمراں ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ممالک فتح کیئے۔ دنیائے اسلام میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑا حکمران پیدا ہی نہیں ہوا۔سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوجیں مشرق وسطیٰ کے درمیان تک پہنچی تھیں، جبکہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سارا افریقہ فتح ہو چکا تھا۔ روس، چین اور یورپ کے دروازوں پر دستک دی جارہی تھی۔ وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہی زمانہ تھا۔اور وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہی کمانڈر تھا کہ جس نے کہا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ اس سمندر کے پیچھے بھی کوئی مخلوق رہتی ہے تو رب کا پیغام ان تک پہنچانے کے لیے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دوں یعنی خشکی پر تو اسلام کی ہی حکمرانی ہے اب کوئی علاقہ نظر نہیں آتا جہاں اسلام کا پرچم نہ لہرا رہا ہو۔

فتوحات:

فتح طرابلس ۲۰ ھ میں مہم کا اہتمام کیا گیا۔لیکن باقاعدہ حملہ ۲۷ ھ کو ہوا۔کافی مدت تک اسلامی فوجیں طرابلس میں معرکہ آراء رہیں، لیکن جب اہل طرابلس نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو سیّدنا عبداللہ بن سرح رضی اللہ عنہ کے پاس آکر پچیس لاکھ دینار پر صلح کر لی۔

فتح افریقیہ:

افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں، جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے۔ یہ ممالک ۲۶ ھ میں سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہمت وشجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی ممالک محروسہ میں شامل ہوئے۔

اسپین پر حملہ:

افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا، چنانچہ ۲۷ ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلامی

فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور سیّدنا عبداللہ بن نافع بن عبدقیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین رضی اللہ عنہما دو صاحبوں کو اس مہم کے لیے نامزد کیا، جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور سیّدنا عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہما مصر واپس بھیجے گئے اور سیّدنا عبداللہ بن نافع بن عبدقیس افریقیہ کے حاکم مقرر ہوئے۔

فتح قبرص:

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں بحرِ روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہوسکتی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہوسکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو، اس لیے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی، مگر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لیے انکار کر دیا، اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، پھر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ اگر تمھارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس اجازت کے بعد سیّدنا عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑہ قبرص پر حملہ کے لیے روانہ ہوا اور صحیح سلامتِ قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ سیّدنا عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سیّدنا سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی۔

۱: اہل قبرص ۷۰۰۰ ہزار دینار سالانہ خرچ ادا کریں گے۔

۲: مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

۳: بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی اطلاع دیا

کریں گے۔

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے، لیکن ۳۳ھ میں انہوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کو مدد دی۔ اس لیے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا اور منادی کرا دی کہ آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔ [1]

فتح طبرستان:

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بصرہ کے نئے والی اور سیّدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رُخ کیا۔ سیّدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیّدنا حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیش قدمی کر کے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کرلیا۔ اسی اثنا میں ولید بن عقبہ والیٔ کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب نوشی کا الزام لگایا گیا، یہ الزام ایسا تھا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو انہیں معزول کرنا پڑا اور ان کی جگہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ بست، اشندورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی، لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کرلی۔

سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن حازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا، اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے۔ سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اہل ماوراالنہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم

[1] ابن الاثیر، ۳/ ۷۵۴۷.

کے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی اور قیس بن ہیثم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب و سامان کے ساتھ دارالخلافہ کا رخ کیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ:

۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا کہ جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے سواحل شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے مدافعت کے لیے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی بے شمار رومی مارے گئے۔ مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے، لیکن ان کے استقلال و شجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی۔ خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا اور اسلامی بیڑہ مظفر و منصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا۔ [1]

ان فتوحات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی کامیابی و کامرانی کا اور یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کیسے لوگوں کو ذمہ داریاں سونپ رکھیں تھیں کہ جنہوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک اسلامی پرچم بلند کر دیا تھا۔ ایسی کامیاب حکمرانی پر بھی اگر کوئی اعتراض کرے تو یقیناً یہ متعصب ہی ہو سکتا ہے یا پھر دنیا کا لالچی اور حریص، کیونکہ صاحب عقل و شعور تو قطعاً ایسے حکمران اور حکومت پر اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔

ایک سازش:

پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی مملکت کی سرحدیں بہت دور تک پھیل چکی تھیں اور کفر کے لیے کرۂ ارض تنگ ہو گئی تھی۔ چنانچہ کفر کو یہ کیفیت قطعاً برداشت نہ تھی۔ لیکن مقابلہ کرنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اب کرے تو کیا کرے۔

---

[1] ابن الاثیر، ۹۱/۳

ایسی حالت میں سازشیں اور مکر ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس چال کو استعمال کرتے ہوئے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشیں شروع کی گئیں اور ایسے لوگوں کو تلاش کیا گیا کہ جو ان سازشوں میں ان کے مددگار بھی بن سکیں اور ان سازشوں کو قبول بھی کرلیں۔ چنانچہ قریشیوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ حکومت پر سب سے زیادہ حق تمھارا ہے تمھارا حق چھین کر دوسروں کو دیا جا رہا ہے جو کہ تم پر ظلم ہے۔ انسان لالچی اور کمزور ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اس سوچ کے اسیر بن گئے، اور ان سازشیوں کے آلۂ کار بن گئے، اور لوگوں کو اپنی مظلومیت کی داستانیں سنانے لگے، اور لوگوں میں فتنہ برپا کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ملک میں فتان لوگ پیدا ہو گئے اور مصر ان سازشوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا یہودی نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال فسادیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا اور اس کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے مذہب کے اندر عجیب وغریب قسم کے نظریات گھڑے، ''موجودہ شیعہ فرقہ دراصل انہی عقائد پر قائم ہوا ہے''۔ کسی بھی قوم کو کمزور کرنے کے لیے یہودیوں نے ہمیشہ یہی چال چلی ہے کہ ان کے عقائد ونظریات کو بگاڑ دو خود ہی لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں گے۔ تمھیں لڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس سازش کے تحت انہوں نے عیسائیت کو بھی نقصان پہنچایا اور اسی کا نشانہ مسلمان بنے کہ جس کا نتیجہ چودہ سو سال سے بھگتتے ہوئے آرہے ہیں اور قیامت تک بھگتنا پڑے گا۔

شہادت:

یوم شہادت کو آپ رضی اللہ عنہ نے پاجامہ منگوا کر پہنا جو اس سے قبل کبھی نہیں پہنا تھا، پھر کہا میں نے آج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں صبر کرو تم شام کو روزہ ہمارے پاس افطار کرو گے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی اور بحالت تلاوت ہی شہید کر دیے گئے،

خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قطرے مندرجہ ذیل آیت مبارکہ پر ٹپکے:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ﴾ (البقرہ: ۱۳۷) [1]

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

مسئلہ خلافت وملوکیت:

بعض لوگ باوجود اس بات کے کہ بنو امیہ والے قریشی ہیں۔ بنو ہاشم کے بعد امت کے افضل ترین افراد ہیں۔ ان افراد کے بارے میں بھی غلط سوچ اور فکر اپنا لی گئی ہے۔ جو کہ سراسر ظلم ہے۔ اور اس فکر اور سوچ کو لوگوں کے دل و دماغ میں پیدا کرنے کوشش کی جا رہی ہے، تا کہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متنفر ہو جائیں اور دین کے بارے میں شکوک وشبہات میں پڑھ جائیں۔ ایسی ہی ایک کاوش کا نام ''خلافت وملوکیت'' ہے جو مولانا مودودی صاحب نے لکھی ہے۔ اس کتاب میں بڑے ہی مخفی اور شائستہ انداز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھالنے اور ان کو مطعون کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کتاب کو موصوف نے کیوں تحریر کیا ہے؟ کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے؟ اور اس کتاب نے کس قدر لوگوں کا ذہن خراب کیا ہے؟ اس کا اندازہ مودودی صاحب کے شاگرد خاص، جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، اور مودودی صاحب کے رفیق خاص امین احسن اصلاحی کے تبصروں سے لگایا جا سکتا ہے۔

خلافت وملوکیت اور تبصرۂ ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ:

حیرت کی بات ہے کہ ہمارے موجودہ دور میں ایک صاحب علم اور صاحب قلم نے جنہوں نے دین کی خدمت میں کافی مفید کام کیے ہیں اور جن کا بلاشبہ چوٹی کے اہل فکر علما میں شمار ہوتا ہے، اپنی ایک کتاب میں ان ہی (سبائیوں) کے بارہ الزامات واعتراضات کو بیان کرتے ہوئے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ایسی تنقید کی ہے، جس سے صریح طور پر سیّدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہوتی ہے اور سیّدنا موصوف رضی اللہ عنہ کے خلاف سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ اسی کتاب کے

[1] اسد الغابة، ذکر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ.

ایک باب میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص پر بھی آزاز تنقید کی گئی ہے، جس سے مسلمانانِ پاک و ہند کے قلوب انتہائی مجروح ہوئے ہیں اور ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' والا معاملہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ شھد شاھد من اھلھا کے مصداق ایک گروہ کی طرف سے تو خوشنودی کے ڈونگرے برسائے گئے اور بغلیں بجائی گئیں اور کہا گیا کہ دیکھ لو یہ ''سنی'' بھی وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو ہم کہتے آئے ہیں، پھر سنی بھی کس پائے کے! وہ جو مفکر اسلام اور مفسر قرآن ہیں .... یہ ہماری بدقسمتی اور اعمال کی شامت ہے، ویسے اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ میں سے مردہ اور مردے میں سے زندہ برآمد کرتا ہے۔ کہ اس دلآزار کتاب کے نتیجے میں تاریخی لٹریچر میں بالخصوص بہت سی مفید کتابوں کا اضافہ ہوا۔ ہمارے ہاں تحقیق وتعمق کے کام میں جو عرصہ سے تعطل و جمود تھا وہ ٹوٹا ....ازسرنو تاریخ کو کھنگالا گیا اور اس کتاب میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی اس کا ازالہ کیا گیا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ جن اعتراضات و الزامات کی صفائی کی ۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تصویب وتوثیق کی ہو اور پوری دیانت سے کی ہو چونکہ ان کی امانت و دیانت ہمارے نزدیک مسلّم ہے تو پھر اس چودہ سو سال بعد بلوائیوں کے الزامات کا اعادہ کرنا کیا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بھی تنقیص نہیں ہوگی؟ کیا اس طرح ان کی دیانت وامانت مجروح نہیں ہوگی؟ کیا اُن کی ذات پر حرف نہیں آئے گا؟ اللہ شرورنفس سے بچائے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اچھے اچھے معقول لوگ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

یہ اسی کتاب (خلافت وملوکیت) کی تنقیدوں کا شاخسانہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر کتنے ہی ہمارے مخلص سنی بھائی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سوئے ظن میں مبتلا ہو گئے اور کتنے ہی ہیں جو سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ادب سے نہیں لے سکتے

بلکہ ان کی شان میں گستاخانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ذہنوں کو اتنا مسموم کر دیا گیا ہے کہ خود سنیوں کے ایک گروہ میں، چاہے وہ تعداد کے لحاظ سے قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ ان تینوں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے خلاف سوئے ظن پیدا ہو گیا ہے۔ جن میں ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی نہیں حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

ماہنامہ ''میثاق'' لاہور:

زیر سرپرستی: مولانا امین احسن، اصلاحی

مدیر مسئول: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

تبصرہ: از پروفیسر یوسف سلیم چشتیؔ

جماعت اسلامی کے امیر کی رسوائے زمانہ تصنیف ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں جس قدر کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں بحیثیت مجموعی یہ زیر تبصرہ کتاب ان سب میں بہترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نوجوان مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

فاضل مصنف نے ''خلافت وملوکیت'' کے تمام مکائد ومطاعن اور مکر وفریب کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا ہے۔ ہر مغالطے کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔ مودودی صاحب کی پیش کردہ تمام جھوٹی روایتوں کی قلعی کھول دی ہے، اور ایسے زبردست الزامی اعتراضات وارد کیے ہیں، جن کا جواب مشکل ہی سے دیا جا سکے گا۔

مودودی صاحب کے اس ''شاہکار'' کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضراتِ عثمان رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لیے جداگانہ معیار مقرر کیے ہیں۔ ہر روایت کو جس سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین یا تنقیص ہوتی ہے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اس سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کردار پر حرف آتا ہے۔ لیکن جن روایتوں سے حضراتِ عثمان رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار پر حرف آتا ہے ان کو یہ صمیمِ قلب صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ مولانا کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر

اگر کوئی شخص انہیں بروزِ ابن سبا قرار دے دے تو شاید خلافِ واقعہ نہ ہو۔ مولانا کی اس کتاب کو پڑھ کر ایک خیال دل میں یہ بھی پیدا ہوا کہ واقعی جماعتی عصبیت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کے کسی رجلِ صالح نے آج تک حضرت مولانا سے یہ نہیں پوچھا کہ اے وہ! کہ تیری روح روحِ محمدی میں گم ہو چکی ہے! اس کتاب کو لکھ کر تو نے دینِ اسلام کی کون سی خدمت انجام دی ہے؟ کتنے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قلوب پر آں حضرت ﷺ کی قوتِ قدسی کا نقش قائم کیا؟ جو پیغمبر ۲۳ سال کی مدت میں بھی چند نفوس سے زیادہ کا تزکیہ نہ کر سکا۔ کیا اس سے عبداللہ بن سبا زیادہ قابلِ تحسین نہیں، جس نے چند سال میں ہزاروں انسانوں کی کایا پلٹ دی؟ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ ایسا تو نہیں کہ اللہ نے اس کتاب کے ذریعے سے ہمیں ہماری بداعمالیوں کی سزا دی ہے۔

(ماہنامہ میثاق لاہور۔ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۱)

قارئین محترم! ان تبصروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کے ذہنوں میں کس قدر زہر گھولا ہے اور کس قدر لوگوں کی ذہنیت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے مسموم کیا ہے اللہ تعالیٰ حفظ و ایمان میں رکھے۔ اس کتاب اور ان جیسی کتابوں سے ہمیں دور رکھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت نصیب فرمائے۔ کیونکہ یہی کامیابی کا راز ہے۔



باب نمبر: ۸

عشرہ مبشرہ

(دس مبشر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

عشرہ مبشرہ میں سے تین صحابہ یعنی خلفائے ثلاثہ کا ذکر باب نمبر ۲ میں اور خلیفہ چہارم سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ذکر باب نمبر ۵ میں ملاحظہ فرمایئے، باقی چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر ذیل کی سطور میں آ رہا ہے:

سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:

سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی سگی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اسلام کے لیے بے پناہ تکالیف برداشت کیں اور مشکل ترین حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ ۶۴ سال کی عمر میں صفوان کے مقام پر ۳۶ھ کو عمرو بن جرموز نے شہید کیا۔ آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ، اور ان کے علاوہ دیگر اصحابِ علم نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔

سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے روز فرمایا:

((مَنْ يَاتِيْنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ أَنَا، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَاتِيْنَا بِخَبْرِ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ أَنَا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ.)) [1]

”قوم کی خبر کون جا کر لاتا ہے، زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، میں خبر لاتا ہوں، اُس وقت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، رقم: ۲۸۴۶، صحیح مسلم، كتاب فضائل الصحابه، رقم: ۶۲۴۳.

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر پیغمبر کا ایک حواری (رفیق یا وزیر) ہوتا ہے، میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔"

امام ابوالاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سولہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہجرت کی۔ ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کفر کی طرف لوٹ آؤ، سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کہتے کہ کبھی کافر نہ بنوں گا۔

امام حفص خالد علیہما السلام کہتے ہیں کہ موصل سے ایک بڑی عمر کے بزرگ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں ایک سفر میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ایک چٹیل میدان میں ان کو نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، جہاں نہ پانی تھا نہ گھاس اور نہ کوئی انسان تھا۔ انہوں نے کہا (میرے نہانے کیلئے) ذرا پردے کا انتظام کرو، میں نے ان کے لیے پردے کا انتظام کیا (نہانے کے دوران) میری نگاہ اچانک ان کے جسم پر پڑ گئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے سارے جسم پر تلوار کے زخموں کے نشان ہیں، میں نے ان سے کہا۔ میں نے آپ کے جسم پر اتنے زخموں کے نشان دیکھے ہیں کہ اتنے میں نے کسی کے جسم پر نہیں دیکھے، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے دیکھ لیا، میں نے کہا: جی ہاں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم، ان میں سے ہر زخم نبی ﷺ کی معیت میں اور اللہ کی راہ میں لگا ہے۔

سیّدنا علی بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس آدمی نے سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اس نے مجھے بتایا کہ ان کے سینے پر آنکھ کی طرح نیزے اور تیر کے زخموں کے نشان ہیں۔

امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خاطر سب سے پہلے تلوار سونتنے والے سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک دن وہ دوپہر کو قیلولہ (سو) کر رہے تھے کہ اچانک انہوں نے یہ آواز سنی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ تو یہ آواز سنتے ہی ننگی تلوار لے کر باہر آئے تو رسول اللہ ﷺ کے راستے میں ملاقات ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: زبیر

تجھے کیا ہو گیا ہے تو سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے سنا ہے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تو زبیر تیرا کیا ارادہ ہے؟ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ،میرا یہ ارادہ تھا کہ آنکھیں بند کر کے مکہ والوں پر ٹوٹ پڑوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر دعائے خیر فرمائی، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

هَـذَاكَ اَوَّلَ سَيْفٍ سُلَّ فِىْ غَـضَـبٍ
لِـلّٰـهِ سَيْفُ الزُّبَيْرِ الْمُرْتَضٰى اَنْفَا
حَـمِيَّةٌ سَبَقَـتْ مِـنْ فَـضْـلِ نَجْدَتِـهٖ
قَـدْ يَـجْسُ النَّجْدَاتِ الْمُجْسُ الْاَرْفَا

سیّدنا زبیر مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سردار کی تلوار ہی وہی تلوار ہے جو اللہ کی خاطر غصہ کرنے میں سب سے پہلے سونتی گئی ہے۔ یہ دینی حمیت ہے جوان کے زیادہ بہادر ہونے کی وجہ ظاہر ہوئی اور کبھی زیادہ سننے والا کئی قسم کی بہادریوں کو جمع کر لیتا ہے۔

اس چیز کا اقرار سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے موقع پر کیا تھا کہ جب ان کا سر مبارک علی رضی اللہ عنہ کو دکھایا گیا، فرمانے لگے: یہ وہ شخص ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکلات کے بادلوں کو کئی دفعہ چھانٹا، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور دفاع کیا، قاتل کے بارے میں کہا کہ وہ جہنمی ہے، اس کو جہنم کی خوشخبری سنا دو۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ۳۷ھ کو صفوان کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔

مذکورہ روایات واقوال سے سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں کہ جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جنت کی بشارت دی اور ان کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

سیّدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

عامر بن عبداللہ بن الجراح الضمری القرشی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس امت کا امین قرار دیا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنًا وَاِنَّ أَمِيْنَنَا أَيَّتُهَا الْاُمَّةُ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رضی اللہ عنہ .)) ❶

''ہر امت میں ایک امین گزرا ہے، اور اس مت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔''

نیز سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((جَاءَ أَهْلُ نَجْرَانَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِبْعَثْ الينا رَجُلًا أَمِيْنًا فَقَالَ:" لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ، فَاسْتَشْرَفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ ابْنَ الْجَرَّاحِ رضی اللہ عنہ .)) ❷

''اہل نجران نبی ﷺ کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا ہمارے لیے ایک ایسا آدمی بھیجئے جو امین ہو، پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سب سے زیادہ امین آدمی کو بھیجوں گا، پس لوگوں نے اس عہدے کے لیے رغبت کی (کہ وہ اس اعزاز کے مستحق ٹھہریں) اتنے میں آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا۔''

ان دونوں احادیث نے واضح کیا ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اس امت کے امین ہیں اور امانت مسلمان کی خاص پہچان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پوچھا گیا کہ

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٧٤٤، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٥٢.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٧٤٥، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة رقم: ٦٢٥٤.

رسول اللہ ﷺ اگر کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے، فرماتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے۔ چنانچہ سیّدنا ابوملیکہ رضی اللہ عنہ سے یہی بیان مروی ہے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بیماری کی حالت میں کہا تھا:

((لو كان ابو عبيده حيًا لفوّضت هذا الأمر إليه .))

''کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں خلافت اس کے سپرد کر دیتا۔''

کیونکہ یہ امانت داری کا کام ہے اور امانت داری ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے۔

آپ عثمان بن مظعون کے ساتھ ایمان لائے اور حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ اور انتہائی گرانقدر خدمات سرانجام دیں، اُحد کے دن جب عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حواس باختہ ہوگئے تھے، سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال علیہا السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں رقمطراز ہیں:

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

سیّدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ عمواس کے مقام پر طاعون کی وجہ سے فوت ہوئے، اس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا جنازہ سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث روایت کی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦١٧٨.

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، شروع شروع میں مسلمان ہوئے ان کا اپنا قول ہے کہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تیسرا تھا، انہوں نے جب اسلام قبول کیا تب ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔ سیّدنا سعد بن ابی وقاص سب سے پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلایا۔ یہی وہ عظیم انسان ہیں کہ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا"ارم یاسعد فداك ابی وامی" کہ اے سعد کافروں کو تیر مارو میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی یہ الفاظ دو یا تین صحابہ کے لیے استعمال کیے ہیں، یعنی سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ جس سے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کوفہ کے گورنر رہے۔

آپ ۵۵ھ میں عتیق کے مقام پر اپنے گھر میں ۵۷ یا ۷۶ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ان کو بقیع کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپ سے بہت سے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔ آپ انتہائی صاحب فضل صحابہ کرام میں سے ایک ہیں، جس کا اندازہ آنے والے واقعات و احادیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں آمد کے ابتدائی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْتَ رَجُلاً صَالِحًا یَحْرُسُنِیْ ، اِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ: "مَنْ هٰذَا؟" قَالَ: اَنَا سَعْدٌ قَالَ مَاجَاءَ بِكَ قَالَ وَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ خَوْفٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتُ اَحْرُسُه ، فَدَعَا لَه رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ نَامَ .))[1]

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، رقم: ۲۸۸۵، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۳۰.

”کاش کوئی صالح آدمی میری حفاظت کرتا۔ اسی وقت ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا، میں سعد ہوں۔ آپ نے پوچھا کس مقصد کے لیے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا، میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خوف پیدا ہوا، چنانچہ میں آپ کی حفاظت کے لیے آ گیا۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے ان کو دعا دی اور سو گئے۔“

سیّدنا زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجاز کے علاقہ رابغ کی جانب ایک جماعت کو بھیجا، جس میں سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اس دن سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے تیروں سے مسلمانوں کی خوب حفاظت کی اور وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں، جنھوں نے اللہ کی راستے میں تیر چلایا اور یہ اسلام کی سب سے پہلی جنگ تھی، اور سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے تیر چلانے کے بارے میں یہ اشعار کہے:

اَلَا هَلْ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنِّیْ
حَمَیْتُ صَحَابَتِیْ بِصُدُوْرِ نَبْلِیْ
اَذُوْدُ بِهَا عَدُوَّهُمْ زِیَادًا
بِكُلِّ حُزُوْنَةٍ وَبِكُلِّ سَهْلٍ
فَمَا یَعْتَدُّ رَامٍ فِیْ عَدُوٍّ
بِسَهْمٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَبْلِیْ

ذرا غور سے سنو! کیا یہ بات نبی ﷺ کو پہنچ گئی ہے کہ میں نے اپنے تیروں کی نوک سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کی۔ ہر سخت اور ہر نرم زمین میں میں نے مسلمانوں کے دشمنوں کو اچھی طرح بھگایا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ کوئی بھی مسلمان مجھ سے پہلے دشمن پر، پہلے تیر چلانے والا شمار نہیں کیا جاتا۔

سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں مکہ دیکھا کہ میں ایک رات پیشاب کرنے نکلا، جہاں میں پیشاب کررہا تھا، وہاں کسی چیز کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنی، میں نے غور سے دیکھا تو وہ اونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا تھا۔

میں نے اس کو اٹھالیا پھر اسے دھو کر جلایا پھر اسے دو پتھروں کے درمیان رکھ کر سفوف سا بنالیا۔ پھر اسے پھانک کر میں نے پانی پی لیا اور میرے تین دن اسی سے گزرے۔

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عربوں میں سب سے پہلے اللہ کی راہ میں میں نے تیر چلایا، ہم لوگ غزوات میں حضور کے ساتھ جایا کرتے تھے، ہمارا کھانا صرف ببول اور کیکر کے پتے ہوا کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم بکریوں کی طرح مینگنیاں کرنے لگے۔ جو علیحدہ علیحدہ ہوتیں ان میں چپکاہٹ نہ ہوتی تھی۔

سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:

طلحہ بن عبید القرشی، کنیت ابومحمد، آپ رضی اللہ عنہ شروع میں اسلام لائے۔ کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی یعنی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شہید ہونے کی ضمانت خود دی ہے، چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَلٰى حِرَاءٍ، وَاَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رضی اللہ عنہ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ رضی اللہ عنہ وَالزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ، فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ: اهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ ﷺ أَوْصِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ وَزَادَ .)) [1]

"ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرا پر تھے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ چٹان حرکت کرنے لگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھم جا۔ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٤٧.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ شہید ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے، سوائے بدر کے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر حاصل کرنے کے لیے سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا، اس وجہ سے بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ جنگ اُحد میں اس عظیم جانثار صحابی نے اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی اور اپنے ہاتھ پر تیروں کے وار روکتے تھے کہ جس کے نتیجے میں ان کا ہاتھ شل ہوگیا۔ اور اس پر پچیس زخم لگے تھے۔ نیزوں اور تیروں کے زخموں کی تعداد ۷۵ کے قریب تھی، چنانچہ غزوۂ اُحد میں نبی رحمت رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور عظیم الشان کارکردگی دکھائی، جب مسلمان بکھر گئے اور کفار نبی کریم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ارادے سے آپ ﷺ کے گرد جمع ہوگئے تو وہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہی تو تھے، جنہوں نے اپنی موت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تھا، حتیٰ کہ کافروں کی ہر ضرب کو اپنے ہاتھ پر برداشت کیا اور آپ ﷺ پر آنچ نہ آنے دی، نیتجتاً سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''طلحہ نے اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی اور جنت کو واجب کرلیا۔'' [1]

آپ جنگ جمل میں جمعرات کے روز شہید ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت ۶۴ سال کی تھی اور آپ کی تدفین بصرہ میں ہوئی، آپ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ قریشی بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام عبد عمرو تھا، ایمان لانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں دنیا میں ہی جنت کی

[1] السیرة النبویه ،لابن هشام : ۳/۲۱، الاصابة: ۳/ ۲۹۰، ۲۹۲.

خوشخبری سنا دی تھی۔ چنانچہ خود سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ .)) [1]

''عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہے۔''

ایک اور روایت سے بھی سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے فرمایا کرتے تھے:

((إِنَّ اَمْرَكُنَّ لَمِمَّا یُهِمُّنِی بَعْدِی ، وَلَنْ یَصْبِرَ عَلَیْکُنَّ إِلَّا الصَّابِرُوْنَ ، ثُمَّ تَقُولُ عَائِشَةَ : فَسَقَی اللّٰهُ أَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِیْلِ الْجَنَّةِ ، تُرِیْدُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ، وَقَدْ كَانَ وَصَلَ اَزْوَاجَ النَّبِیِّ ﷺ بِمَالٍ ، یُقَالُ بِیْعَتْ بِأَرْبَعِیْنَ أَلْفًا .)) [2]

''یقیناً تمہارا معاملہ ایسا ہے کہ جس کا مجھے فکر ہے کہ میرے بعد تمہارا کیا ہوگا اور تمہاری مشکلات پر تمہارا ساتھ صرف صبر کرنے والے دیں گے۔ بعد ازاں عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے) کہا، اللہ تیرے والد کو جنت کے چشمہ سے سیراب کرے، اس لیے کہ انہوں نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر اوقات کے لیے ایک باغ صدقہ کیا تھا، جو چالیس ہزار (درہم) میں فروخت ہوا۔''

آپ نے ۳۰ھ کو پچھتر (۷۵) سال کی عمر پاکر وفات پائی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

سیّدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کی کنیت

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۴۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۴۹، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

''ابوالاعوذ'' ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ آغاز بعثت میں ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔

سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اُن دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری سنا دی تھی۔ چنانچہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَبُوبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِی الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ، وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ، وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ، وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ، وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ، وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ، وَاَبُوعُبَیْدَةُ بْنُ الْجَرَاحِ فِی الْجَنَّةِ.)) [1]

''ابوبکر جنتی ہے، عمر جنتی ہے، عثمان جنتی ہے، علی جنتی ہے، طلحہ جنتی ہے، زبیر جنتی ہے، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہے، سعد بن ابی وقاص جنتی ہے، سعید بن زید جنتی ہے اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے ۵۵ھ میں بمقام عقیق انتقال فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ



[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۴۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:۹

چند جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیّدنا سعد بن معاذ الانصاری رضی اللہ عنہ:

سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حُلَّةُ حَرِيْرٍ ، فَجَعَلَ اَصْحَابُهُ يَمَسُّوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ لِيْنِهَا ، فَقَالَ: اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِ هٰذِهِ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَاَلْيَنُ .)) [1]

''رسول کریم ﷺ کو ایک ریشمی حلّہ تحفہ دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو چھوتے تھے اور اس کی نرمی پر تعجب کا اظہار کرتے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، تم لوگ اس کی نرمی پر حیران ہوتے ہو؟ حالانکہ جنت میں سیّدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال بھی اس سے اچھے اور نرم ہیں۔''

اور سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا

((اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ ، وَفِي رواية اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ .)) [2]

''سعد بن معاذ کی وفات پر عرش کانپ اٹھا، ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۸۰۲، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۳۴۸.

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۸۰۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۳۴۶.

معاذ کی موت پر رحمٰن کا عرش کانپ اٹھا۔‘‘

مذکورہ دونوں احادیث سیّدنا معاذ کی شان و مقام اور اہمیت کو واضح کر رہی ہیں کہ سعد رضی اللہ عنہ جنتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے کہ جن کی موت کی وجہ سے رحمٰن کا عرش کانپ اٹھا۔

آپ قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان اسلام قبول کیا، ان کا گھرانہ انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والا گھرانہ ہے۔ چونکہ انصار میں ان کو ایک خاص مقام اور عزت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے جیسے ہی یہ گھرانہ مسلمان ہوا، تو بنو عبدالاشھل کے سارے کے سارے لوگ مسلمان ہوگئے۔ کیونکہ لوگ ان کو اپنا سردار اور بڑا مانتے تھے۔ یہی وجہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو سیّد القوم یعنی قوم کا سردار کہا، آپ عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ خندق کے روز ان کی رگ اکھل (ہاتھ کی رگ) میں تیر لگا، جس سے ان کا بہت زیادہ خون بہہ گیا جو کہ رکنے کا نام نہ لیتا تھا، اس موقعہ پر سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کہ اے اللہ، مجھے بنو قریظہ کا انجام دکھائے بغیر موت نہ دینا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی، خون بہنا رک گیا، ادھر بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جا چکا تھا، محاصرہ سے تنگ آ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے بارے میں سعد رضی اللہ عنہ جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ فیصلہ ہمیں قبول ہوگا، چنانچہ سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ کی چارپائی منگوائی گئی اور ان سے فیصلہ کروایا گیا، آپ نے فیصلہ کیا کہ جو شخص لڑنے کے قابل ہے اس کو قتل کر دیا جائے، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو غلام بنا لیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ زمین پر کیا ہے، وہی فیصلہ اللہ نے آسمانوں پر کیا ہے۔ [1]

اس سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہو رہی ہے۔

---

[1] یہ واقعہ قریب قریب صحیح بخاری میں ہے۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۸۰۴.

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، آپ ہذل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، شروع میں اسلام قبول کیا۔ اور ایک قول کے مطابق یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ رکھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا، مسواک اور وضو کے پانی کا انتظام خاص ان کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

سیّدنا علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں شام پہنچا تو میں نے دو رکعت نماز ادا کر کے دعا مانگی: اے اللہ! مجھے کسی صالح مرد کی صحبت عطا فرما۔ اس کے بعد میں لوگوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ تو ایک بزرگ میرے پہلو میں آ کر تشریف فرما ہوئے۔ میں نے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابودرداء ہیں۔ میں نے بتایا، میں نے کسی مرد صالح کی صحبت کی اللہ سے دعا کی تھی۔ چنانچہ مجھے آپ کی صحبت اللہ تعالیٰ نے میسر فرما دی۔ ابودرداء نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ میں نے بتایا میں اہل کوفہ سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا، تکیہ اور وضو کا برتن اٹھانے والے یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہیں ہیں؟ اور کیا تم میں وہ شخصیت نہیں، جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے شیطان سے اللہ کی پناہ میں دیا تھا۔ یعنی عمار بن یاسر؟ اور کیا تم میں راز دان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جس کے علاوہ راز کسی کو معلوم نہیں، یعنی حذیفہ بن یمان۔'' [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو خاص تعلق تھا، اسی وجہ سے بعض صحابہ کرام کو شبہ تھا کہ شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے فرد ہیں، چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَدِمْتُ اَنَا وَاَخِیْ مِنَ الْیَمَنِ ، فَمَكَثْنَا حِیْنًا مَّا نَرٰی اِلَّا اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِ النَّبِیِّ ﷺ ، لِمَا نَرٰی

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۷۶۱.

مِنْ دُخُوْلِهٖ وَدُخُوْلِ أُمِّهٖ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .)) ❶

''میں اور میرا بھائی یمن سے آئے، ہم مدینہ میں قیام کے دوران ایک عرصہ تک یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کے اہل بیت ہیں، کیونکہ ہم عبداللہ بن مسعود اور ان کی والدہ کو اکثر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دیکھا کرتے تھے۔''

غور فرمائیں، کہ کس قدر تعلق ہے آپ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، یہ اس تعلق کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کا کردار رسول اللہ ﷺ کے کردار کے مطابق تھا اور اس کا اعتراف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تھا، چنانچہ سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اِنَّ اَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَّسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِيْنَ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ اِلٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِ لَا نَدْرِيْ مَايَصْنَعُ فِيْ اَهْلِهٖ اِذَا خَلَا .)) ❷

''اخلاق، سیرت اور نیکی کے لحاظ سے سب انسانوں سے زیادہ رسول کریم ﷺ سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ان کی یہ کیفیت گھر سے نکلنے سے لے کر اپنے گھر لوٹنے تک رہتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ تنہا ہوتے تھے، تو کیا کرتے تھے۔''

اس مشابہت کی وجہ سے آپ انتہائی صالح بن گئے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی نیک اور صالح نہ تھا تو جو ان کی مشابہت اختیار کرے گا، یقیناً وہ بھی نیک اور صالح ہی ہوگا۔ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی رفاقت نے سنت کا انتہائی پابند بنا دیا تھا اور سنتِ رسول ﷺ کو انتہائی اہمیت دیتے تھے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ رقم: ٣٧٦٣، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٢٦.

❷ صحیح بخاری، کتاب الأدب، رقم: ٦٠٩٧.

چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جسم گودنے والیوں اور گدوانے والیوں، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور اکھڑوانے والیوں پر، خوبصورتی کے لیے دانت (رگڑ کر) کھلے کروانے والیوں پر (نیز) اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو تبدیل کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔'' بنی اسد کی ایک عورت ام یعقوب نے یہ بات سنی جو کہ قرآن پڑھا کرتی تھی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا، میں نے سنا ہے ''تم نے جسم گدوانے اور گودنے والیوں پر، چہرہ کے بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والیوں پر، دانتوں کو کشادہ کروانے والیوں اور اللہ کی بناوٹ کو بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے؟'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہو اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہے۔'' اس عورت نے کہا ''میں نے (اپنے پاس محفوظ) دو تختیوں کے درمیان سارا قرآن پڑھ ڈالا ہے، لیکن مجھے تو اس میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ملا'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر تو قرآن غور سے پڑھتی تو تجھے یہ بات مل جاتی۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم دے اس پر عمل کرو، اور جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔'' (الحشر: ۷) پھر وہ بولی ان باتوں میں سے بعض باتیں تو تمہاری بیوی میں بھی ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا 'جاؤ جا کر دیکھ لو۔'' وہ عورت گئی تو ان کی بیوی میں ایسی کوئی بات نہ پائی۔ تب وہ واپس آئی اور کہنے لگی ''ان میں سے تو کوئی بات میں نے تمہاری بیوی میں نہیں دیکھی۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر وہ ایسا کرتی تو ہم کبھی اس سے صحبت نہ کرتے۔''[1]

یہ واقعہ سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت سے محبت کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی نگاہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی مقام تھا۔

نیز سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، جنگ بدر میں بھی شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی جنت کی بشارت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٨٨٦، صحیح مسلم، کتاب اللباس، رقم: ٥٥٧٣.

فرمایا کرتے تھے جس کو ام عبد اس امت کے لیے پسند کرتا ہے، میں بھی اس کو اس امت کے لیے پسند کرتا ہوں، اور جس کو ام عبد ناپسند کرتا ہے، میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ آپ کوفہ کے قاضی بھی رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ۶۴ یا ۶۰ سال کی عمر پا کر ۳۲ھ کو وفات پائی۔ آپ رضی اللہ عنہ بقیع میں دفن کیے گئے، آپ سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی روایت کی ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

سیّدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی نے اپنے والد ماجد کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی اسلام قبول کیا، بدر اور اُحد میں شریک نہیں ہوئے، لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنگ اُحد میں شریک ہوئے ہیں، لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ جنگ احد میں شریک نہیں ہوئے، کیونکہ ان کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی۔ پہلی جنگ، جس میں وہ شریک ہوئے ہیں وہ خندق ہے، اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ آپ بڑے ہی عابد اور زاہد قسم کے صحابی ہیں، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم میں سے ہر شخص دنیا کی طرف مائل ہوگیا۔ سوائے عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کے۔ اسی بات کی گواہی میں سیّدنا میمون رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک نوجوان بیٹے نے آپ سے لنگی مانگی اور کہا میری لنگی پھٹ گئی ہے۔ سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا لنگی جہاں سے پھٹی ہے وہاں سے کاٹ دو اور باقی کو سی کر پہن لو۔ اس نوجوان کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تیرا بھلا ہو اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ بنو جو اللہ تعالیٰ کے رزق کو اپنے پیٹوں میں اور اپنی پشتوں میں ڈال دیتے ہیں، یعنی اپنا سارا مال کھانے اور لباس پر خرچ کر دیتے ہیں۔ [1]

اس کے ساتھ ساتھ ایثار اور ہمدردی بھی سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی۔ چنانچہ جناب میمون بن مہران رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی پر کچھ لوگ ابن

---

[1] حلیة الاولیا: ۱/۳۰۱.

عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناراض ہوئے اور ان سے کہا کہ کیا تم ان بڑے میاں پر ترس نہیں کھاتی ہو کہ یہ کمزور ہوتے جا رہے ہیں (انہیں کچھ کھلایا پلایا کرو) انہوں نے کہا میں ان کا کیا کروں؟ جب بھی ہم ان کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں تو وہ اور لوگوں کو بلا لیتے ہیں جو سارا کھانا کھا جاتے ہیں (یوں دوسروں کو کھلا دیتے ہیں خود کھاتے نہیں) ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد سے نکلتے تو کچھ غریب لوگ ان کے راستے میں بیٹھ جاتے تھے (جن کو سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ گھر لے آتے اور ان کو اپنے کھانے میں شریک کر لیتے) ان کی بیوی نے ان غریبوں کے پاس مستقل کھانا پہلے سے بھیج دیا اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم یہ کھانا کھا لو اور چلے جاؤ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ میں نہ بیٹھو، ابن عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے گھر آ گئے (انہیں راستے میں کوئی غریب بیٹھا ہوا نہ ملا) تو فرمایا فلاں اور فلاں کے پاس آدمی بھیجو (تاکہ وہ کھانے کے لیے آ جائیں آدمی ان کو بلانے گئے، لیکن ان میں سے کوئی نہ آیا، کیونکہ) ان کی بیوی نے غریبوں کو کھانے کے ساتھ یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ اگر تمہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ بلائیں تو مت آنا (جب کوئی نہ آیا) تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں آج رات کھانا نہ کھاؤں، چنانچہ اس رات کھانا نہ کھایا۔ [1]

جناب سعید بن ابی بلال رحمہ اللہ کہتے ہیں ''ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جحفہ مقام پر قیام فرمایا، اور وہ بیمار بھی تھے انہوں نے کہا، مچھلی کھانے کو میرا دل چاہ رہا ہے، ان کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا بس صرف ایک مچھلی ملی۔ ان کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید نے اس مچھلی کو لیا اور اسے تیار کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اتنے میں ایک مسکین ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اس مسکین سے کہا تم یہ مچھلی لے لو۔ اس پر ان کی بیوی نے کہا سبحان اللہ! ہم نے آپ کی خاطر بڑی محنت سے یہ مچھلی خاص طور پر آپ کے لیے تیار کی ہے، اس لیے (اسے تو آپ خود کھائیں) ہمارے پاس سامان سفر ہے اس میں سے اس مسکین کو دے دیں گے۔ انہوں نے اپنا نام لے کر کہا عبداللہ کو یہ مچھلی بہت پسند آ رہی ہے، اس لیے اس مسکین کو یہی مچھلی دینی ہے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء: ١/٢٩٨.

ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان کی بیوی نے کہا ہم اس مسکین کو ایک درہم دے دیتے ہیں، یہ درہم اس مچھلی سے زیادہ اس کے کام آئے گا، آپ یہ مچھلی کھائیں اور اپنی چاہت پوری کریں۔ انہوں نے کہا میری چاہت وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ [1]

غور کریں کہ جب تک کوئی کھانے والا نہ ملتا کھانا نہ کھاتے اور جب مل جاتا تو خود معمولی کھا کر گزارہ کر لیتے اور دوسروں کو کھلا دیتے، تاکہ دوسروں کو خوشی میسر آ جائے۔ اپنے آپ کو بھوکا رکھتے تھے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبادت و ریاضت کے اندر بھی بے مثال تھے، عبادت کرتے ہوئے قطعاً دوسروں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے، بلکہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرائض کے ساتھ نوافل کا بھی خوب اہتمام کرتے تھے۔ خصوصاً نمازِ تہجد کا اہتمام ضرور کرتے تھے۔

جناب ابوغالب رحمہ اللہ کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں ہمارے ہاں ٹھہرا کرتے اور رات کو تہجد پڑھا کرتے۔ ایک رات صبح صادق سے کچھ دیر پہلے مجھ سے فرمایا: اے غالب! کیا تم کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے؟ کیا ہی اچھا ہو اگر تم تہائی قرآن پڑھ لو؟ میں نے کہا کہ صبح ہونے والی ہے میں اتنی دیر میں تہائی قرآن کیسے پڑھ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: سورت اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔ [2]

غور فرمائیں کہ تہجد کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑتے تھے، بلکہ اس نیکی کے کام کو کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنے زہد و ورع کے اعتبار سے معروف تھے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نیک اور صالح ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

---

[1] حیاة الصحابة: ۲/ ۲۱۱.

[2] حلیة الاولیاء: ۱/ ۳۰۵.

((رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَانَ فِي يَدِيْ سَرَقَةً مِّنْ حَرِيْرٍ ، لَااَهْوِيْ بِهَا اِلٰى مَكَانٍ فِيْ الْجَنَّةِ اِلَّا طَارَتْ بِيْ اِلَيْهِ ، فَقَصَصْتُهَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ: اِنَّ اَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ اَوْ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ .)) [1]

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے، جنت میں جس جگہ جانے کی خواہش کرتا ہوں یہ اڑا کر مجھے وہاں پہنچا دیتا ہے۔ میں نے اس خواب کا ذکر حفصہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا، بلاشبہ تمہارا بھائی صالح انسان ہے۔ یا بلاشبہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نیک آدمی ہے۔''

اس عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کا خوف اور ڈر بھی بہت زیادہ تھا۔ اس لیے ان کے تقویٰ اور ورع کو بھی تسلیم کیا جاتا تھا، چنانچہ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ:

((مارأيت اورع من ابن عمر .))

''کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ تقویٰ والا کسی کو نہ دیکھا۔''

اس چیز کی گواہی آنے والا واقعہ بھی دے رہا ہے:

''جناب ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مروہ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی آپس میں ملاقات ہوئی وہ دونوں کچھ دیر آپس میں بات کرتے رہے، پھر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ چلے گئے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہاں روتے ہوئے رہ گئے، تو ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ صاحب یعنی

---

[1] صحيح بخارى، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۷۳۸، ۳۷۳۹، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٦٩.

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ابھی بتا کر گئے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے چہرے کے بل آگ میں ڈال دیں گے۔'' [1]

ایک مرتبہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہیں جارہے تھے، راستہ میں ایک اعرابی ملا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا۔ ابن دینار ساتھ تھے، یہ فیاضی دیکھ کر بولے، اللہ آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہوجاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی فرمایا، ان کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ [2]

اس واقعہ سے بھی آپ کا تقویٰ ہی ظاہر ہورہا ہے، ڈر ہے کہ اگر اپنے باپ کے دوستوں کی عزت نہ کی، کہیں حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ ہوجائے جو کہ بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس ڈر اور تقویٰ کا شاہکار یہ واقعہ بھی ہے۔

جناب محمد بن ابی قیلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر علم کے بارے میں پوچھا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ جواب لکھا کہ تم نے مجھے خط لکھ کر علم کے بارے میں پوچھا ہے۔ علم تو بہت زیادہ ہے میں سارا لکھ کر تمہیں بھیج نہیں سکتا، البتہ تم اس بات کی پوری کوشش کرو کہ تمہاری اللہ سے ملاقات اس حال میں ہو کہ تمہاری زبان مسلمانوں کی آبروریزی سے رکی ہوئی ہو اور تمہاری کمر پر ان کے ناحق خون کا بوجھ نہ ہو اور تمہارا پیٹ ان کے ناحق مال سے خالی ہو اور تم مسلمانوں کی جماعت سے چمٹے ہوئے ہو۔ [3]

اس ڈر اور خوف کی وجہ صرف علم اور صرف علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی، کیونکہ علم انسان

---

[1] الترغیب والترھیب، ٣٤٥/٤.

[2] سیرۃ الصحابہ: ٤١/٣.

[3] حیاۃ الصحابہ: ٢٠٢/٣.

کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ اللہ کا تعارف حاصل ہوتا ہے۔ جنت اور جہنم کے بارے میں معلومات ملتی ہیں، اس علم کی وجہ سے آپ کے دل میں بہت زیادہ خوف تھا، کیونکہ آپ کا شمار سات بڑے اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سات بڑے صحابہ، جن میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ احادیث کو یاد کرنے والے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سے دو ہزار چھ سوتیس (۲۶۳۰) احادیث مروی ہیں۔ لیکن اس علم کے باوجود اگر کسی بات کا علم نہ ہوتا تو فرما دیتے کہ مجھے نہیں معلوم جیسا کہ ان واقعات سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

جناب مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اولاد کی میراث کے بارے میں پوچھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ کسی نے ان سے کہا آپ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے فرمایا ابن عمر سے وہ چیز پوچھی گئی جو اسے معلوم نہیں اس نے کہہ دیا میں نہیں جانتا۔

سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ جب وہ پوچھنے والا پشت پھیر کر چل پڑا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ سے کہا ابن عمر سے ایسی چیز پوچھی گئی جو اسے معلوم نہیں تو اس نے کہہ دیا مجھے معلوم نہیں۔ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔ یہی وجہ تھی، اکثر و بیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے رونے لگ جایا کرتے تھے۔ جناب محمد بن زید علیہما السلام فرماتے ہیں:

''ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے (مکہ والے) اس مکان کے پاس سے گزرتے، جس سے ہجرت کر کے (مدینہ) گئے تھے تو اپنی دونوں آنکھوں کو بند کر لیتے اور نہ اسے دیکھتے اور نہ کبھی اس میں ٹھہرتے۔ جناب محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو رو پڑتے

---

[1] طبقات ابن سعد: ٤/١٤٤.

اور جب بھی (اپنے مکہ والے) مکان کے پاس سے گزرتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔“ [1]

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین مہینے بعد فوت ہوئے، فوت ہونے سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے حل میں دفن کیا جائے، لیکن حجاج کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہوسکا تھا۔ کیونکہ حجاج کی نگاہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بڑی بری طرح کھٹکتے تھے۔ لیکن کچھ کر نہ پائے تھے، کیونکہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی ان کو ان کی غلط حرکات پر ٹوکا اور روکا کرتے تھے۔ لیکن با اُمر مجبوری حجاج ان کو برداشت کر رہا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کی عزت بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ اس نے خفیہ چال چلی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے راستے میں زہر آلود کیل ٹھکوا دیئے، ان کے پاؤں میں کیل لگا اور وہی ان کی موت کا سبب بنا۔ ایک قول یہ ہے کہ حجاج نے نیزے کو زہر آلود کر دیا تھا اور موقع پا کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کے اوپر والے حصے پر رکھ دیا۔ اس کا زہر جسم میں پھیل گیا۔ اس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ اس وقت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عمر ۸۴ یا ۸۶ سال کی تھی۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر کروڑ کروڑ رحمت و برکات نازل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو ان کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی، اس امت کے بہترین افراد میں سے ہیں اور اس امت کے فقیہ اور انتہائی بڑے عالم تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس چیز کی خاص دعا کی تھی، چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءً افَلَمَّا خَرَجَ ،

[1] حياة الصحابة : ١/٤٨٢.

قَالَ: مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟ فَأُخْبِرَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ .)) ❶

''نبی محترم ﷺ بیت الخلاء گئے تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ جب آپ کو بتلایا گیا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما۔''

اور نیز انہی سے مروی ہے،

((ضَمَّنِيْ ﷺ اِلٰى صَدْرِهِ . فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ .)) ❷

''نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے یہ دعا فرمائی، یااللہ! اسے دین کی حکمت کا علم عطا فرما اور دوسری روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔''

اس دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و حکمت سے منور فرما دیا تھا، چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور مشکل مسائل میں ان سے رائے لیا کرتے تھے۔ اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ''سورۃ النصر'' کے متعلق ان کی رائے کو قبول کیا گیا اور فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

سب کچھ آپ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ رب نے علم و حکمت ان کی زبان پر جاری کر دیا تھا، چنانچہ جناب شقیق رحمہ اللہ بہت بڑے تابعی گزریں ہیں اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں، ایک مرتبہ حج مبارک کے موقع پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر فرمائی میں کیا بتاؤں کہ وہ تفسیر کیا تھی اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی (یعنی پڑھی تھی) اگر اس تفسیر کو فارس اور روم

❶ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، رقم: ١٤٣، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٦٨.
❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٧٥٦.

والے سن لیتے تو پھر انہیں اسلام لانے سے کوئی چیز نہ روک سکتی تھی۔ [1]

اس وجہ سے مسروق کہتے ہیں جب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو میں کہتا کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں اور جب ان کو گفتگو کرنے سنتا تو میں سمجھتا کہ لوگوں میں سب سے بڑے محدث یہی ہیں۔

آخری عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی اور آپ طائف میں ۶۸ھ کو فوت ہوئے، جبکہ آپ کی عمر اس وقت ۷۱ سال کی تھی۔ آپ سے صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ :

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ افضل ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں۔ آپ کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ ان کے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ جس کو تقریباً ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس سے ان کی کنیت پڑ گئی ابوہریرہ (بلی کا باپ) آپ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں شریک ہوئے، اس کے بعد رسول اللہ کا ساتھ ایسا اپنایا کہ سفر وحضر میں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں رہتے تھے اور اس انتظار میں اکثر اوقات بھوکے اور پیاسے بھی پڑے رہتے تھے۔ کیونکہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے اور یاد کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا، اس شوق کے لیے اپنی ہر آسائش کو قربان کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سب سے زیادہ یاد تھیں، چنانچہ ان سے مسند بقی بن مخلد میں ۵۳۴۴ احادیث مروی ہیں۔

یہ حدیثیں محض آپ کے شوق اور محنت کا نتیجہ تھیں، چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے بہت سی احادیث بھول جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی چادر بچھاؤ، میں نے چادر بچھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مستدرك حاكم، ۳/ ۵۳٦، رقم: ٦٣٤٤، سير الصحابه: ۲/ ۲٤۹.

نے بہت سی حدیثیں اس کے بعد بیان کیں، لیکن میں کبھی بھی نہیں بھولا۔ [1]

یہ آپ کا حدیث کو سننے کا شوق تھا اور آپ نے اس کے لیے خوب محنت کی۔ اس کے لیے اپنی ہر قسم کی راحت قربان کردی۔ چنانچہ جب لوگوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر قرآن کی یہ دو آیتیں نہ ہوتیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا﴾ بلاشبہ وہ لوگ جو ہمارے نازل کردہ ہدایت دلائل کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کردیا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔

دوسری آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ....﴾

(اس آیت کا مفہوم بھی اوپر والی آیت سے ملتا جلتا ہے)

ما حدثت حدیثاً میں تمہیں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا، تم کہتے ہو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔ کبھی اپنی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت کا اندازہ لگایا ہے، انصار کو کھیتی باڑی سے فرصت نہ ملتی تھی۔ جبکہ مہاجرین بازاروں کے شور شرابے میں مشغول تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھوکے پیٹ مسجد میں لیٹے ہوتے تھے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سننے کے لیے بسا اوقات بھوک کی وجہ سے غش طاری ہوجاتا، لوگ دیوانہ سمجھ کر ٹھوکریں مارتے تھے۔ [2]

یہ وجہ تھی سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے زیادہ احادیث کو یاد کرنے کی کہ ہر طرح کی مشکلات اٹھائیں، لیکن حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کو کمزور نہ ہونے دیا، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے خاص محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، رقم: ۳٦٤٨.

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٩٧.

((اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِي اَبَا هُرَيْرَةَ وَاُمَّهُ اِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَحَبِّبْ اِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ.)) [1]

''اے اللہ! اپنے بندے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی والدہ کو مومنین کا محبوب بنا اور مومنین کو ان کا محبوب بنا۔''

غور فرمایئے! کہ دعا کی جا رہی ہے کہ یہ لوگوں کا محبوب اور پیارا بن جائے، کیونکہ انہوں نے دین کے لیے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کے لیے بڑی ہی تکالیف اٹھائی ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین پر چپٹا دیتا اور پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سال رہا۔ ایک دن ہم لوگ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگوں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ہمارے کپڑے صرف موٹی اور کھردری چادریں ہوا کرتے تھے۔

ہمیں اتنا کھانا بھی نہ ملتا تھا کہ ہم اپنی کمر سیدھی کرلیں، ہمارا پیٹ اندر کی طرف پچکا ہوا ہوتا تھا۔ اس پر پتھر رکھ کر ہم اسے کپڑے سے باندھ لیا کرتے تھے، تاکہ ہم اپنی کمر سیدھی کرسکیں۔

ان اقوال سے بھی سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت واضح ہو رہی ہے کہ انہوں نے حدیث رسول کی حفاظت اور انہیں یاد کرنے کے لیے بھوک اور پیاس برداشت کی۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو حفظ حدیث کے لیے اس قدر قربانیاں دیں، لیکن حسد اور بغض کی بنا پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حدیثیں بہت بیان کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہے۔ یہ محض حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کے لیے ایسے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ یہ مان لینے کے بعد کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے بڑے محدث ہیں، تو پھر غیر فقیہ کیسے ہوگئے؟

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٩٦.

حالانکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کی ضمانت تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ایک دفعہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حق دار قیامت کے دن کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: میں اس بارے میں سوچتا تھا کہ کون مجھ سے اس بارے میں سوال کرے گا۔ پھر مجھے یقین بھی تھا کہ یہ سوال مجھ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کرے گا، کیونکہ اس کو حدیث کے ساتھ لگن ہی اتنی ہے۔ میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہوگا، جو اللہ کی توحید کا خالص دل سے اقرار کرنے والا ہوگا۔

غور فرمایئے کہ اگر فقاہت نہ تھی تو سوال کیوں کیا؟ اور وہ سوال کیا کہ جو کوئی بھی نہ کر سکا، اگر یہ فقاہت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر دیکھئے کہ ان کو مدینہ کا گورنر بھی بنایا گیا، اگر فقاہت نہ تھی تو اتنی اہم ذمہ داری کیوں سونپی گئی، جس کا جواب یہ ہے کہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تو فقاہت تھی۔ لیکن جنہوں نے اعتراض کیا ہے۔ وہ عقل وخرد سے خالی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت نہ سمجھ سکے کہ جس کی گواہی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ افراد نے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے تھے ان سے حدیث روایت کی ہے، انہی میں سے ابن عباس، ابن عمر، جابر اور انس رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں ۵۹ ھ کو فوت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال تھی۔ بقیع میں تدفین ہوئی، آپ کا جنازہ ولید بن عقبہ نے پڑھایا، جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے۔ [1]

سیّدنا ثابت بن شماس رضی اللہ عنہ:

ثابت بن قیس بن شماس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ، یہ انصاری صحابہ کرام میں عظیم الشان

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر.

ہیں اور ان کی پہچان ان کی خطابت تھی، جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''جب یہ آیت اتری' اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو (آخر آیت تک)' ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا کہ میں اہل جہنم سے ہوں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رُکے رہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوعمرو رضی اللہ عنہ، ثابت رضی اللہ عنہ کو کیا کوئی تکلیف ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: بیشک، وہ میرا ہمسایہ ہے، مگر میں اس کی تکلیف کو نہیں جانتا، 'کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا' رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا' کہ یہ آیت اتری ہے اور تم جانتے ہو، بے شک میں تم سے اونچی آواز والا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر، پس میں تو اہل جہنم سے ہوں، سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلکہ وہ تو اہل جنت سے ہے۔'' [1]

مذکورہ حدیث سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ کو مومن اور جنتی قرار دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ثابت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ گستاخی کے ڈر سے اپنے گھر میں ہی بیٹھ گئے کہ کہیں میری اونچی آواز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی نہ ہو جائے اور اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ اس سے سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ مومن کی کامیابی کی دلیل ہے۔

سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اُحد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے، اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ جو جنگ یمامہ ہوئی تھی ۱۲ھ میں اس میں بھی شریک تھے اور سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کی ہے۔

---

[1] مسند احمد، ۱۳۷/۳، رقم: ۱۲۳۹۹، شیخ ارناؤط نے مسلم کی شرط پر اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ :

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں، سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ امْرَأَةَ اَبِیْ طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْخَشَةً اَمَامِیْ فَاِذَا بِلَالٌ .)) ❶

”مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو دیکھا اور میں نے اپنے آگے پاؤں کی آہٹ سنی تو وہ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔“

سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم سِتَّةَ نَفَرٍ ، فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم : اطْرُدْ هٰؤُلَاءِ لَايَجْتَرِؤُوْنَ عَلَيْنَا ، قَالَ: وَكُنْتُ اَنَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ ، وَرَجُلٌ مِّنْ هُذَيْلٍ ، وَبِلَالٌ ، وَرَجُلَانِ لَسْتُ اُسَمِّيْهِمَا ، فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقَعَ ، فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: وَلَاتَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ (الانعام: ٥٢) .)) ❷

”ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں چھ آدمی تھے، مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اِن آدمیوں کو دور کردو، ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر جرأت کریں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا، میرے علاوہ ابن مسعود اور قبیلۂ ہذیل کا ایک شخص بلال اور دو

---

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٢١.

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٤١.

مزید شخص تھے، میں ان کے نام نہیں لے رہا۔ رسول معظم ﷺ کے دل میں، جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا، ان کو اپنے سے دور رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی۔ ان لوگوں کو اپنے سے مت دور کیجئے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اوراس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں۔''

ان دونوں احادیث سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

ابو یوسف عبداللہ بن سلام اسرائیلی، آپ کا تعلق یوسف بن یعقوب علیہم السلام کی اولاد سے ہے۔ آپ کا اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودیوں کے بڑے عالموں میں شمار ہوتا تھا۔ یہود ان کی انتہائی عزت وتکریم کرتے تھے۔ جیسا کہ اس کا شاہد وہ واقعہ بھی ہے کہ جب یہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی آپ ﷺ یہود کو بلا کر میرے بارے میں پوچھ لیں، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہیں وہ آپ ﷺ کو میرے بارے میں بدظن نہ کریں، یا میری برائیاں کرتے پھریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں کو بلا کر پوچھا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کیسا شخص ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا، سیّدنا وابن سیّدنا کہ وہ ہمارا سردار ہے۔ اور سردار کا ہی بیٹا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو یہودیوں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پیچھے سے کلمہ پڑھتے ہوئے باہر آ گئے۔ یہودی فوراً بدل گئے، کہنے لگے: یہ بھی گھٹیا اس کا باپ بھی گھٹیا تھا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں میں ان کی خاص عزت وتکریم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کو خاص عزت ومقام دیا کہ اپنی زبان مبارک سے ان کے لیے جنت کی ضمانت فراہم کی۔ چنانچہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

((قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لِاَحَدٍ یَّمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ

الْاَرْضِ اَنَّہٗ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ، اِلَّا لِعَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ .))[1]

''انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے علاوہ سطح زمین پر چلنے والے کسی شخص کے بارے میں یہ فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ ۴۳ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ آپ کے دونوں بیٹوں یوسف اور محمد کے علاوہ دیگر اصحاب نے بھی آپ سے حدیث روایت کی ہے۔

سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ مکہ میں شروع شروع میں اسلام لائے، حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے کشتی والوں کے ساتھ واپس اس حال میں آئے تھے کہ آپ ﷺ خیبر کے مقام پر تھے۔

آپ صاحب فضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی توصیف میں فرمایا تھا:

((یَا اَبَا مُوْسٰی لَقَدْ اُعْطِیْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِیْرِ اٰلِ دَاوُدَ .))[2]

''ابوموسیٰ! بے شک تجھے آل داؤد کی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔''

یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت بڑے ہی خوبصورت انداز میں فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی اس توصیف کو سن کر انہوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ ﷺ میری تلاوت سن رہے ہیں، تو میں اور بھی زیادہ خوبصورت آواز میں قرآن پڑھتا۔

مذکورہ حدیث سے آپ رضی اللہ عنہ کی قرآن کے ساتھ محبت اور وابستگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۸۱۲، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، رقم: ۶۳۸۰.

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، رقم: ۵۰۴۸، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، رقم: ۱۸۵۱.

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ:

ابوحمزہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن النضر الانصاری الخزرجی عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں، اور ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، ان کی والدہ محترمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور آ کر کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کی خدمت کے لیے وقف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے برکت کی دعا کریں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

((وَعَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَسٌ خَادِمُكَ اُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ، وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتَهٗ. قَالَ اَنَسٌ: فَوَاللّٰهِ اِنَّ مَالِيْ لَكَثِيْرٌ، وَّاِنَّ وَلَدِيْ وَوَلَدَ وَلَدِيْ لَيَتَعَادُّوْنَ عَلٰى نَحْوِ الْمِائَةِ الْيَوْمَ.)) [1]

''سیّدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ انس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اے اللہ! اس کو مال اور اولاد میں برکت دے، اور اس پر اپنی عطا کو بابرکت بنادے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے، اللہ کی قسم! میرا مال کثیر ہے اور میری اولاد کی تعداد آج پوتوں سمیت سو سے بھی زیادہ ہے۔''

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس مال بہت زیادہ تھا اور ان کی اولاد کی تعداد پوتوں سمیت ایک سو سے بھی زیادہ تھی۔ جس کا اقرار مذکورہ حدیث میں بھی کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال کی تھی، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الدعوات، رقم: ٦٣٧٨، ٦٣٧٩، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٧٢.

کی خلافت تک مدینہ میں رہے۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ان کو بصرہ بھیج دیا۔ یہ بصرہ میں بھی رہے۔ یہاں تک کہ ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ بصرہ میں فوت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخری یہی ہیں۔ ان کی عمر ایک سو تین سال یا ۹۹ سال تھی۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں کہا ہے، ان کی اولاد کی تعداد سو تھی۔

سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

ابی بن کعب الاکبر الانصاری الخزرجی انتہائی افضل ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک ہیں، کاتب وحی ہیں اور ان چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہی قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَالَ اسْتَقْرِءُ وَا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ: مِّنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ، وَأُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.)) ❶

''قرآن مجید چار اشخاص سے پڑھا کرو، عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔''

اور سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ، وَّاَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَاَصْدَقُهُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ، وَافْرَضُهُمْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَاَقْرَؤُ هُمْ لِکِتَابِ اللّٰهِ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ، وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَّلِکُلِّ اُمَّةٍ اَمِیْنٌ وَاَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُالْجَرَّاحِ)) ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۷۵۸، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٣٨.

❷ مسند احمد ۲۸۱/۳، رقم: ۱۳۹۹۰، سنن ترمذی کتاب المناقب، رقم: ۳۷۹۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

’’میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امر الٰہی میں سب سے زیادہ مضبوط عمر رضی اللہ عنہ، اور سچی حیا میں سب سے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ، فرائض کا سب سے زیادہ واقف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سب سے بڑھ کر قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور حرام وحلال کا سب سے زیادہ عالم معاذ بن جبل ہے۔ ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔‘‘

یہ دونوں حدیثیں ان کے ماہر قاری القرآن ہونے پر دلالت کرتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَ)) [1]

’’تم میں بہترین انسان وہ ہے کہ جو قرآن کو سیکھتا اور سکھاتا ہے۔‘‘

اس سے بھی واضح ہوا کہ سیّدنا اُبی رضی اللہ عنہ عظیم ترین انسان ہیں۔ کیونکہ آپ ایک بہت بڑے قاری القرآن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے لیے امام مقرر کرنا چاہا، تو سیّدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ہی مقرر فرمایا تھا۔

قرآن کے علم کے ساتھ ساتھ آپ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی خوب علم تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ ان فقہا میں سے ایک ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی، اور ان کو انصار کا سردار قرار دیا تھا۔ آپ مدینہ میں ۱۹ھ کو فوت ہوئے۔ آپ سے بہت بڑی ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ،

((اَنَّ اَبَاسُفْیَانَ اَتٰی عَلٰی سَلْمَانَ وَصُھَیْبٍ وَبَلَالٍ فِیْ نَفَرٍ فَقَالُوْا: مَااَخَذَتْ سُیُوْفُ اللّٰہِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰہِ مَاْخَذَھَافَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ:

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، رقم: ۵۰۲۷.

اَتَقُوْلُوْنَ هٰذَا لِشَيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ؟ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ! لَعَلَّكَ اَغْضَبْتَهُمْ، لَئِنْ كُنْتَ اَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَاَتَاهُمْ.

فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ: اَغْضَبْتُكُمْ؟ قَالُوْا: لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ، يَا اَخِيْ.)) [1]

''ابوسفیان (قبل از ایمان) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے تو انہوں نے کہا، اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن مارنے میں حق ادا نہیں کیا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا، کیا تم قریش کے بزرگ اور سردار کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہو؟ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے باخبر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر! شاید تم نے ان کو ناراض کر دیا ہے؟ اگر تم نے ان کو ناراض کیا، تو اپنے رب کو ضرور ناراض کیا ہے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا، میرے بھائیو! کیا میں نے آپ کو ناراض کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ ہمارے بھائی! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے!۔''

اس روایت سے سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ اس کی اولاد علم کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کرے گی اگر علم ثریا ستاروں پر بھی ہوا۔ تو وہ اس علم کو ضرور اتار لائیں گے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ان کی اولاد کو اللہ نے طبعًا اچھی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ جو اچھی چیزوں کے لیے خوب محنت اور کوشش کریں گے۔

سیّدنا اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ ان کی والدہ کا نام برکہ جو کہ ام ایمن کے نام سے معروف

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٤١٢.

تھیں۔ رسول ﷺ کے والد محترم عبداللہ بن عبدالمطلب کی لونڈی تھیں۔ اور اسامہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے غلام اور غلام کے ہی بیٹے تھے۔ آپ ﷺ کو اسامہ رضی اللہ عنہ اور اس کے باپ زید رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جس کا اندازہ اس روایت سے بھی ہو سکتا ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((قَالَ اِنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاكُنَّا نَدْعُوْهُ اِلاَّ زَيْدَبْنَ مُحَمَّدٍ ، حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ . (الاحزاب ٣٣ ، ٥) .)) ❶

''رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہم لوگ زید بن محمد کہہ کر ہی پکارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن میں یہ حکم نازل ہوا کہ ''تم لوگوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔''

غور فرمایئے کہ لوگ اس محبت کی وجہ سے اور میل جول کی وجہ سے سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا بیٹا سمجھتے تھے، آپ ﷺ کو ان سے کتنی محبت تھی اور آپ کے ہاں ان کا کتنا مقام اور عزت تھی اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ بَعْثاً وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ ، فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِىْ اِمَارَتِهٖ ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِىْ اِمَارَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِىْ اِمَارَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ ، وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخليقا للامارة ، وانْ كان لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَىَّ ، وَاِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَىَّ بَعْدَهٗ .)) ❷ (وَفِى

---

❶ صحيح بخارى، كتاب التفسير رقم: ٤٧٨٢، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٦٢.

❷ صحيح بخارى، كتاب المغازى، رقم: ٤٤٦٩، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٦٤.

رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ نَحْوَهُ وَفِى آخِرِهِ أُوْصِيكُمْ بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ صَالِحِيكُمْ)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض لوگ ان کی امارت پر معترض ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ امارت کے لائق تھا۔ بلاشک وشبہ زید مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور اس کے بعد یہ اسامہ مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں ہے میں تم کو اسامہ بن زید کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ وہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہے۔''

نیز خود سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ أَحِبَّهُمَا فَإِنِّى أُحِبُّهُمَا .)) ❶

''آپ ﷺ مجھ کو اور حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھاتے اور کہتے اے میرے اللہ، میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے محبت فرما۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''اے اللہ تو ان دونوں پر رحم فرما۔ اس لیے کہ میں ان دونوں سے شفقت کرتا ہوں۔'' ❷

غور فرمایئے! آپ ﷺ ان کے محبوب ہونے اور اللہ کی رحمت کے لیے دعائیں کر رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں، یہ اسامہ اور اس کا والد عظیم ترین انعام یافتہ لوگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی قدر کرتے تھے اور اسی محبت کی وجہ سے ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۷۳۵.

❷ صحیح بخاری ، کتاب الادب، رقم: ۶۰۰۳.

''خلیفۃ المومنین والمسلمین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھ سے زیادہ مقرر فرمایا میں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھا اور اس کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے بھی زیادہ محبوب تھا۔'' [1]

غور کیجئے! کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر ترجیح اس وجہ سے دی کہ سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ماجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی زیادہ محبوب تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ آپ سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ:

حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بدر و خندق اور ان کے درمیان ہونے والے تمام کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جنتی قرار پائے چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد کو ایک مہم پر بھیجتے ہوئے فرمایا، روانہ ہو جاؤ! جب روضہ خاخ پہنچو گے تو تمہیں اونٹ کے ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے حاصل کر لینا۔ چنانچہ ہم چل پڑے اور ہمارے گھوڑے ایک دوسرے سے سبقت لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، حتی کہ ہم روضہ خاخ جا پہنچے۔ وہاں اونٹ کے ''ہودج'' میں سوار ایک عورت موجود تھی۔ ہم نے اسے حکم دیا، وہ خط نکالو۔ اس نے کہا، میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اسے ڈانٹا کہ خط نکال دو ورنہ تلاشی کے لیے کپڑے اتار

[1] الاصابة ٤٩٧/٢.

دیں گے۔ چنانچہ اس عورت نے اپنے سر کے بالوں سے خط نکال دیا۔ ہم وہ خط لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس لائے۔ اس خط میں لکھا تھا ''حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے سرداران مشرکین کی طرف۔ وہ رسول ﷺ کے بعض امور سے مشرکین مکہ کو مطلع کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حاطب سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے اس معاملے میں جلدی نہ فرمائیں! میں نے قریش میں باہر سے آکر سکونت اختیار کی ہے اور میری ان سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، جبکہ آپ ﷺ کے اور دیگر مہاجرین کے، مکہ میں رشتہ دار و اہل قبیلہ موجود ہیں۔ جو ان کے اموال اور اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے یہ چاہا کہ ان پر اس طرح احسان کروں کہ وہ میرے اہل و عیال کا لحاظ کریں، اور میں نے کفر، یا اپنے دین سے ارتداد کی بنا پر، یا اسلام کے بعد کفر پر راضی ہو کر یہ کام نہیں کیا ہے۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ حاطب نے تمہارے سامنے سچ بیان کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا، بلاشبہ اس نے جنگ بدر میں حصہ لیا اور تمہیں کیا معلوم کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر اپنی رحمت نچھاور کی ہو، اور ان کے حق میں فرمایا ہو، تم جو چاہو کرو، تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ میں نے تمہاری مغفرت فرما دی ہے اور تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٨٩٠، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٤٠١.

اس حدیث سے ان کا جنتی ہونا واضح ہوا۔ اگرچہ سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے کچھ لغزشیں بھی ہوئیں۔ تاہم ان کی نیکیوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خوب دفاع کیا۔ چنانچہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اِنَّ عَبْدَ الْحَاطِبِ رضی اللہ عنہ جَآءَ اِلَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَشْکُوْا حَاطِبًا إِلَیْهِ، فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: لَیَدْخُلَنَّ حَاطِبٌ النَّارَ، فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم! کَذَبْتَ لَا یَدْخُلُهَا، فَإِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَیْبِیَّةَ.)) [1]

''سیّدنا حاطب کا غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حاطب کے بارے کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! حاطب ضرور جہنم میں داخل ہوگا۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جھوٹا ہے وہ دوزخ نہیں جائے گا، کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ کی جنگ میں شامل تھا۔''

یہ حدیث بھی سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرتی ہے۔ کیونکہ بدر والوں کو رب تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ جیسا کہ پہلی حدیث سے واضح ہے اور ویسے بھی حدیبیہ والوں سے رب راضی ہو چکا ہے۔ سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ ان دونوں موقعوں پر موجود تھے۔ جس سے ان کی عزت وشرف واضح ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ۶۵ سال کی عمر پا کر مدینہ میں فوت ہوئے۔

سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ :

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ القرشی الصدوی جلیل القدر اور افضل ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ انتہائی قدیم الاسلام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے انتہائی نعمتوں والی زندگی گزارتے تھے۔ لباس اور خوشبوں کا استعمال خوب کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جس گلی سے گزر

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٤٠٣.

جاتے، وہ گلی کافی دیر تک مصعب رضی اللہ عنہ کے گزر جانے کی خبر دیتی رہتی تھی۔ لیکن جب اسلام قبول کیا تو پھر دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور کافی مشکل زندگی گزاری کہ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ بوریے کا لباس پہنا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: اسلام سے پہلے کس قدر پرعیش زندگی تھی اب یہ حالت ہے کہ لباس بھی بوریے کا ہے۔

جو ان کی مشکلات کا پتہ دیتا ہے۔ انہوں نے انہی مشکلات سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ کی طرف قرآن پڑھانے اور دین کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہمیں اپنے سینے صاف رکھنے چاہیں، ان میں سے ایک صحابی رسول کا نام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ السہمی القرشی ہے جو انتہائی خوبصورت آنکھوں، چھوٹے قد اور بڑے مرتبہ والے گورے رنگ کے تھے۔ آپ بلا کے زیرک اور دانشمند تھے، اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سات سال بڑے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہجرت کے پانچویں سال ایمان لائے۔

ان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَسْلَمَ النَّاسُ وَ آمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ .)) [1]

''لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لایا۔''

یعنی ان کے اسلام لانے کو اتنی اہمیت دی گویا ایک جماعت ایمان لے آئی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ لوگ ایمان لاتے، جبکہ عمرو اکیلا ہی ایمان لایا، یعنی اس اکیلے کا ایمان لانا۔ بہت سے لوگوں کے ایمان لانے کے مترادف ہے۔

یہ خیبر والے سال ایمان لائے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر، اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۸۴۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

نے ان سے بیعت لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا جب آپ ﷺ نے ان سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے درخواست کی کہ میں اس شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں کہ میرے سابقہ گناہ معاف کردیے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! تجھے پتہ نہیں کہ اسلام پہلے والے گناہ معاف کر دیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے والی غلطیاں مٹا دیتی ہے، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

غور فرمائیں، کہ اپنی غلطیوں کے معاف ہو جانے کا کتنا احساس اور فکر ہے۔ کہ کہیں گناہ باقی نہ رہ جائیں۔ اسی وجہ سے بیعت کے لیے بڑھایا ہوا ہاتھ پیچھے کرلیا۔ جس سے ان کا خوف الٰہی بھی ثابت ہوتا ہے۔

ایک آدمی نے ان سے قبول اسلام میں تاخیر کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم ایسی قوم کے ساتھ تھے، جسے ہم پر برتری حاصل تھی اور ان کی عقلوں پر دیوانگی اور خرابی سوار تھی، چنانچہ جب محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو اس نے آپ کو پیغمبر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ہم نے ان کی پناہ لی، اور جب وہ قوم انجام کو پہنچ گئی، اور معاملہ ہمارے ہاتھ میں آیا، اور ہم نے غور وفکر سے کام لیا تو ہمیں حق واضح نظر آ گیا، اور میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا، چنانچہ جب قریش مکہ نے مجھ میں اپنی حمایت میں وہ سرگرمی نہ دیکھی جو کبھی میں دکھایا کرتا تھا تو انہوں نے اپنے ایک نوجوان کو میری طرف بھیجا اور اس نے مجھ سے مناظرہ کیا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا: میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو تیرا اور تیرے سے پہلوں اور بعد والوں کا رب ہے، کیا ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں یا روم اور فارس والے؟

اس نے کہا: ہم

میں نے کہا: کیا ہم زیادہ خوش حال ہیں یا وہ؟

اس نے کہا: وہ

تو میں نے کہا: ہمیں دنیا میں ان پر اپنی فضیلت سے کیا حاصل ہوا، کیونکہ اس دنیا میں تو وہ

ہر اعتبار سے ہم سے مستحکم ہیں۔ سو میرے دل میں یہ بات آگئی کہ جو بات محمد (ﷺ) فرماتے ہیں کہ موت کے بعد اٹھنا ہے تا کہ نیک کو اس کی نیکی اور بُرے کو اس کی برائی کا بدلہ ملے، یہ حق ہے اور باطل کی دلدل میں دھنستے جانے میں کوئی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ میں آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا، سیّدنا عمرو رضی اللہ عنہ انتہا کے زیرک انسان تھے۔ اور اسی زیرک پن کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ اور ان کا بہترین منتظم اور سربراہ ہونا بھی اسی زیرک پن کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے ان کو اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

یہ صحابی رسول کریم ﷺ سے بے حد محبت کرتے تھے، لیکن حیا کی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں ان کی شجاعت اور دانشمندی کی وجہ سے ''غزوہ ذات السلاسل'' میں اسلامی افواج کا امیر مقرر کیا، اور ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔

ایک مرتبہ اہل مدینہ بڑے خوفزدہ ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ ابی حذیفہ کے ہمراہ مسلح ہو کر مسجد میں آگئے، تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! تمہارا اللہ اور اس کا رسول کی طرف رجوع کیوں نہ ہوا؟ اور تم نے ان دو مومن آدمیوں کی طرح کیوں کیا؟ [1]

رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

علقمہ بن رمثہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا، پھر وہ کسی فوجی مہم پر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ کو اونگھ آئی اور پھر آپ جاگ پڑے اور فرمایا

((رَحِمَ اللّٰهُ عَمْرًو))

''کہ اللہ تعالیٰ عمرو پر رحم فرمائے۔''

---

[1] مسند احمد، ٤/٢٠٣، رقم: ١٧٨١٠، شیخ شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔

آپ ﷺ نے تین مرتبہ یوں ہی فرمایا، اور ہم نے تین مرتبہ عمرو نام والے صحابہ کو یاد کیا (لیکن پتہ نہ چلا کہ آپ کون سے عمرو کا نام لے رہے ہیں۔) چنانچہ ہم نے سوال کیا کہ کون سا عمرو اے اللہ کے رسول ﷺ ؟

آپ نے فرمایا: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

قارئین محترم! یہ دونوں روایات سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بہترین نیک و صالح مسلمان ہونے کی گواہی دے رہی ہیں، نیز آپ رحمت الٰہی کے مستحق ترین فرد ہیں، کیونکہ رسول ﷺ نے ان کے لیے دعا کی ہے یہ ممکن نہیں کہ رسول ﷺ کی دعا ان کے حق میں قبول نہ ہوئی ہو، لہٰذا ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ جو ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ کہیں سیّدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں آخرت خراب نہ ہو جائے۔

سیّدنا رسول کریم ﷺ نے انہیں عمان کا گورنر مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے جہاد فلسطین اور جہاد قنسرین میں حصہ لیا، اور مصر کو فتح کیا، اور وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، تا آنکہ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے عبداللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا۔ بعد ازاں آپ دوبارہ گورنر مصر بنا دیے گئے، اور ۴۳ھ تک گورنری کے عہدے پر ہی فائز رہے۔ آپ نے ۹۰ سال عمر پائی اور ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوئے ان کی وفات کا قصہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام اور سیّدنا رسول کریم ﷺ سے محبت اور ان سے حیا کا وصف بیان کیا ہے۔

میں نے ان کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ بہت سے اردو خواں حضرات، واقعہ تحکیم کی غلط رپورٹنگ کی وجہ سے انہیں ناحق بدنام کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر رہے ہیں، اور رسول کریم ﷺ کے اس فرمان کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِی، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِی فَوَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ، لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا

نَصِيْفَهٗ .)) [1]

''میرے صحابہ کی کردار کشی نہ کرو، میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے، تو وہ ان کے دولپ، بلکہ ایک لپ جو برابر ثواب حاصل نہیں کر سکتا۔''

آپ رضی اللہ عنہ ۴۳ ہجری کو ۹۰ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔

سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان قریشی اموی رضی اللہ عنہ:

دوسرے صحابی، جنہیں ناحق بدنام کیا جاتا ہے، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان قریشی اموی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِبِهِ .)) [2]

''اے اللہ! اسے ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔''

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی جیسے محدثین اور امام ابن عساکر دمشقی اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسے بلند پایہ مؤرخین کی تحقیق کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''عمرۃ القضاء'' سے پہلے اسلام لائے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنا گھربار، مال و دولت اور مال دار والدین کو چھوڑ کر اس حال میں مدینہ پہنچے کہ انہیں پاؤں میں پہننے کے لیے جوتا بھی میسر نہ تھا۔

''منتقی من منهاج الا عتدال ''میں متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے کہ ذیقعد ۸ ھ میں ''عمرۃ القضاء'' کے موقع پر آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٤٨٧.

[2] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۸۴۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

ہوا۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں کاتبینِ وحی الٰہی میں شامل فرمایا اور یہ آپ کو اکثر و بیشتر وضو کروایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قمیص پہنائی تھی جو انہوں نے مرض الموت تک اپنے پاس چھپا کر رکھی۔

قارئین محترم، اوپر والے دونوں واقعات سیّدنا امیر معاویہ کی رسول ﷺ سے والہانہ محبت و عقیدت کا ثبوت ہیں اور رسول ﷺ مکرم کی بھی شفقت کا اظہار ہیں۔ آپ ﷺ نے سیّدنا کو اپنی قمیص مبارک خود پہنائی تھی یہ آپ ﷺ کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب مکہ اور مدینہ اور ان کے آس پاس کی چند بستیوں کے سوا باقی اہل عرب مرتد ہو گئے، تو آپ رضی اللہ عنہ مومنین کے اس قلیل گروہ میں شامل تھے، جس نے مرتدین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا، تا آنکہ مدعیان نبوت کے عساکر باطلہ کی قوت پارہ پارہ ہوگئی۔ مسیلمہ کذاب اور اس کی چالیس ہزار سپاہیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ بلکہ آپ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل تھے، جنہوں نے مسیلمہ کذاب کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

بعد ازاں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے بڑے بھائی یزید الخیر کے ہمراہ جہاد شام پر بھیج دیا، چنانچہ وہاں آپ اپنے بھائی کی کمان میں مختلف محاذوں پر جہاد کرتے رہے۔ اسی دوران سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے، انہوں نے سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ بن سعد کو معزول کر کے انہیں حمص کا عامل (کمشنر) مقرر کر دیا، سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے اور لوگوں میں بے حد مقبول تھے۔ جب لوگوں نے ان کی معزولی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقرری کا حکم سنا تو وہ کہنے لگے: عمیر بن سعد کو معزول کر کے معاویہ کو عامل (کمشنر) مقرر کر دیا گیا ہے، یہ سن کر عمر بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَا تَذْكُرُوا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اهْدِ بِهِ)) [1]

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۸۴۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

”معاویہ کو اچھے لفظوں کے علاوہ کسی لفظ سے یاد نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔“

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بذات خود یہ حدیث بیان کی تھی۔ اس کے بعد جب طاعونِ عمواس میں سیّدنا ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور گورنر شام یزید الخیر بن ابی سفیان اموی شہید ہو گئے، تو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ اسی دور میں آپ نے یونانی جزیرے قیساریہ پر فیصلہ کن حملہ کیا اور نوے ہزار رومیوں کو قتل کر کے اسے فتح کر لیا۔ چنانچہ یہ ان کے عہد حکومت میں بارہ سال تک اتنی خوش اسلوبی سے حکومت کرتے رہے کہ ان کی رعایا ان پر فدا ہونے لگی۔

بعد ازاں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں وہاں برقرار رکھا، اور اس دور میں انہوں نے قسطنطنیہ پر بحری بیڑوں پر سوار ہو کر لشکر کشی کی، اور سیّدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رؤیائے صادقہ کا مصداق قرار پائے، جو آپ کو ام حرام بنت ملحان کے گھر دکھایا گیا تھا کہ آپ کے امتی سمندر کی پشت پر اس انداز سے سوار ہو کر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں، جیسے دو تختوں پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے، ان میں سیّدہ ام حرام بنت ملحان بھی تھیں جو قبرس کے گھوڑے سے گر کر شہید ہو گئی تھیں، اور ان کی قبر آج بھی قبرس میں موجود ہے۔

انہوں نے اپنے دور حکومت میں جس قدر عدل و انصاف کیا، اس کی شہادت مبشر بالجنۃ صحابی سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح قادسہ کی زبانی سنئے۔ سیّدنا بشر بن سعید مدنی نے فاتح ایران، مبشر بالجنۃ، مستجاب الدعوات سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((مارأيت بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب، يعني معاوية)) [1]

”میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے (معاویہ رضی اللہ عنہ) سے زیادہ کسی

---

[1] البدایہ والنہایۃ ۸/۱۳۳.

کوحق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نہ دیکھا۔''

ایک مرتبہ سیّدنا سلیمان رضی اللہ عنہ بن مہران (اعمش) کے پاس سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا: اگر تم سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پالیتے تو کیا یاد کرتے؟ انہوں نے کہا: کیا آپ ان کے حلم کے بارے میں فرمارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم! بلکہ ان کے عدل وانصاف کے بارے میں۔

بلکہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام المفسرین مجاہد بن جبیر اور قتادہ سدوسی اور ابواسحاق سبیعی جیسے خیارامت بیان کرتے ہیں کہ اگر تم معاویہ بن ابی سفیان کا دور پالیتے تو تم بول اٹھتے کہ یہ مہدی ہے۔ ❶

اور یقیناً ایسا ہی ہونا تھا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ان لفظوں سے دعا فرمائی تھی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَاهْدِ بِهٖ .)) ❷

تمام مورخین اور محدثین، مخالف وموافق اس بات پر متفق ہیں کہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رعیت ان سے بے حد محبت کرتی تھی، اور آپ بہ مصداق حدیث نبوی:

((خِيَارُكُمْ اَئِمَّتُكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ ، وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ))

''اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے اور اس کے لیے دعا کرتے تھے اور وہ آپ کے لیے دعا کرتے تھی۔''

سیّدنا میمون بن مہران اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قریشی اموی نے اپنے مرض وفات میں فرمایا:

---

❶ المنتقی، ازذهبی

❷ صحیح سنن ترمذی ، کتاب المناقب، رقم: ٣٨٤٢.

((كُنْتُ اُوَضِّى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا ، فَنَزَعَ قَمِيْصَهُ وَكَسَانِيْهِ فَرَقَعُ وَخَبَاتُ قَلَامَةِ اَظْفَارِهِ فِىْ قَارُوْرَةٍ ، فَإِذَا مِتُّ فَاجْعَلُوْا الْقَمِيْصَ جِلْدِىْ ، وَاسْحَقُوْا تِلْكَ الْقَلَامَةَ ، وَاجْعَلُوْهَا فِىْ عَيْنِىْ فَعَسَوْا يَرْحَمْنِىْ بِبَرَكَتِهَا .)) [1]

''ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کو وضو کروا رہا تھا، آپ نے اپنی قمیص مبارک اتاری اور مجھے پہنا دی، پس میں نے اسے مرمت کرلیا اور آپ کے نخونوں کے تراشوں کی شیشی میں چھپا کر رکھ لیا، چنانچہ جب میں فوت ہو جاؤں تو (رسول اللہ ﷺ کی) قمیص کو میرے بدن پر بچھا دینا، امید ہے کہ اللہ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔'' انشاء اللہ

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب:

وہ مومن صحابی کہ جس کے متعلق بدگمانی پھیلائی جاتی ہے، وہ ہے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ۔ سیّدنا ابوسفیان (صخر) بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف، رسول کریم ﷺ کے سسر اور جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ قبول اسلام سے قبل یہ سرداران مکہ میں سے ایک سردار تھے۔ جب رسول کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو ان کی طرف سے اس کے خلاف اتنا ردعمل سامنے نہیں آیا جتنا کہ ابولہب، ابوجہل وغیرہ کی طرف سے آیا۔

اور اس آیت ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى﴾ (الشوریٰ: ۲۳) کے مخاطبین میں ایک تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کو حالت کفر کے دور میں عمرو بن امیہ بن خولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ عجوہ کھجوروں کا ہدیہ بھیجا، جو انہوں نے قبول کرلیا، اور اس کے بدلے میں نبی کریم ﷺ کی طرف چمڑے کا تحفہ ارسال کیا جو آپ ﷺ نے بھی قبول فرمایا اور جب ان کی مومنہ بیٹی سیّدہ ام حبیبہ سے رسول کریم ﷺ نے سیّدنا عمرو بن امیہ ضمری کی

[1] تاریخ الاسلام للذهبی، ۳۱۶/۴.

وساطت سے نکاح کر لیا تو انہوں نے اپنا ردعمل ان الفاظ میں ظاہر کیا:

((ذلك الفحل لا مقدع انفه .))

''وہ ایسے شریف النسل مرد ہیں، جنہیں کسی رشتے سے جواب نہیں دیا جا سکتا۔''

جب جنگ بدر میں سرداران مکہ مارے گئے تو انہوں نے کفار مکہ کی قیادت کی، اور جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ احد لڑی اور فتح مکہ پر فوج کشی کی تو بنو ہاشم کے بزرگ سیّدنا عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنے اس قدیم دوست کو اپنے خچر پر بٹھا کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اور انہوں نے وہاں اسلام قبول کر لیا، لیکن ابھی تک ایمان دل میں داخل نہ ہوا تھا۔ اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ پر فدا ہو رہے ہیں اور آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، تو ان کے دل میں حسد آیا اور انہوں نے دل میں سوچا کہ کاش میں اس شخص کے مقابلہ کے لیے لشکر اکٹھا کر لاتا تو فوراً رسول کریم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

''تب اللہ تجھے رسوا کر دیتا!''

تو انہوں نے کہا: "استغفر الله واتوب اليه" اور مزید یہ کہا کہ مجھے اسی گھڑی اس بات کا یقین آیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، کیونکہ یہ وسوسہ ابھی تک میرے دل میں ہی تھا اور زبان پر نہ آیا تھا (کہ اللہ نے آپ کو اس سے مطلع کر دیا)۔ اس کے بعد انہوں نے سیّدنا رسول کریم ﷺ کے سامنے تین مطالبات پیش کر دیے: ایک یہ کہ میرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا سیکرٹری بنا لیجیے، اور دوسرے یہ کہ میرے گھر کو دارالامن قرار دیجیے، اور تیسرے یہ کہ میری بیٹی کزۃ بنت ابی سفیان سے نکاح کر لیجئے اور اس سلسلے میں اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی تعاون طلب کیا۔ آپ ﷺ نے دو مطالبات تو منظور فرمائے اور تیسرے کے متعلق فرمایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں، کیونکہ اس نکاح سے دونوں بہنوں نے ایک شوہر کے نکاح میں آجانا تھا اور یہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں

نے جنگ حنین میں حصہ لیا اور جب رسول کریم ﷺ نے انہیں مال غنیمت سے بہت سا مال دیا تو انہوں نے کہا:

((وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَكَرِيْمٌ فِدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّى وَاللّٰهِ لَقَدْ حَارَبْتُكَ فلنعم المحرب كُنْتُ والقد سَالَمْتُكَ فلنعم الْمُسَالِمَ أَنْتَ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا .))

اس کے بعد انہوں نے جہاد طائف میں حصہ لیا اور اس میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی تو رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کی آنکھ صحیح سلامت کر دے گا اور اگر صبر کریں تو آپ کے لیے جنت ہے تو انہوں نے شدید تکلیف کے باوجود کہا کہ میں جنت کو پسند کرتا ہوں۔

بعد ازاں رسول کریم ﷺ نے انہیں نجران کا گورنر مقرر کر دیا اور یہ آپ کی وفات تک گورنری کے منصب پر فائز رہے اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹوں کے ہمراہ مرتدینِ عرب کے خلاف کامیاب جہاد میں حصہ لیا، چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَوَّلُ مَنْ قَتَلَ أَهْلُ الرَّدَّةِ عَلٰى إِقَامَةِ دِيْنِ اللّٰهِ أَبُوْ سِفْيَانُ بْنِ حَرَبِ .)) (تفسير مردويه)

''اللہ کے دین کی اقامت کی خاطر مرتدین کے خلاف لڑائی کرنے میں ابو سفیان بن حرب نے پہل کی۔'' (بلکہ ایک مرتد کو بروقت قتل بھی کر دیا تھا۔)

اور جب جنگ یرموک کا میدان سجا تو انہوں نے اپنی بیوی ہندہ اور بیٹی جویریہ سمیت اس میں حصہ لیا۔ سعید مخزومی قریشی کے والد سیّدنا مسیّب رضی اللہ عنہ (جنہیں بیعت رضوان کا شرف بھی حاصل ہوا تھا) فرماتے ہیں، کہ جب گھمسان کا رن پڑا اور جنگ کی چکی گھومنے لگی تو ایک آواز کے سوا باقی سب آوازیں خاموش ہو گئیں اور وہ آواز یہ تھی:

''اے اللہ کی مدد، قریب آ تو''

میں نے آواز لگانے والے شخص کی طرف دیکھا تو وہ ابوسفیان تھے، جو اپنے بیٹے یزید کے جھنڈے تلے جنگ لڑ رہے تھے۔ لہٰذا فتنہ ''ارتداد ایمان باللہ و رسولہ'' کی سرکوبی کے لیے ثابت قدم رہنے اور پھر بڑھاپے کی حالت میں بھی یرموک کے محاذ پر اپنے اہل خانہ سمیت جہاد میں حصہ لیا۔

اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ انہوں نے صدق دل سے ایمان قبول کیا تھا۔ اور یہ ساری زندگی اس پر قائم رہے اور اسی پر ہی فوت ہوئے تھے، اس لیے ہمیں ان کے متعلق بھی لب کشائی سے بچنا چاہیے، کیونکہ ان کے حق میں زبان درازی کرنا رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔

ابوسفیان واقعہ فیل سے دس سال قبل پیدا ہوئے ۔ رؤسائے قریش میں سے آپ تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ ۳۴ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ سے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے جو کہ ایک عظیم مفسر قرآن اور حافظ الحدیث تھے۔



باب نمبر: ۱۰

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عقیدہ اہل سنت اور مودودی صاحب

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں عقیدہ اہل سنت والجماعت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''اہل سنت والجماعت گروہ کا نظریہ، یہ ہے کہ ان کے دل اور زبانیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں محفوظ ہیں جیسا کہ اللہ پاک نے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الحشر: ۱۰)

''اور وہ لوگ جو صحابہ کرام کے بعد آئے وہ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان داروں کے بارے میں کینہ نہ ڈال اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

نیز ارشاد نبوی کی اطاعت ضروری ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر

تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو صحابہ کرام کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہ پہنچ پائے گا۔''

اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا گروہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی صورت میں صحابہ کرام کے جو فضائل اور مراتب بیان کیے گئے ہیں، انہیں تسلیم کیا جائے، لیکن ان صحابہ کرام کو جنہوں نے فتح مکہ یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام کی سربلندی کے لیے مال و دولت خرچ کیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا ان پر فضیلت عطا کی جائے، جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مال و دولت خرچ کیا اور جہاد کیا، نیز مہاجرین اولین صحابہ کرام کو انصار صحابہ کرام پر مقدم کیا جائے، نیز اہل سنت اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں شریک صحابہ کرام، جن کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی اس کے بارے میں فرمایا۔

''اب تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے، نیز وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دوزخ میں ان صحابہ کرام میں سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی، جیسا کہ ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے مطلع فرمایا ہے، بلکہ اللہ نے ان سے اپنی رضا مندی کا جنت میں وعدہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہیں ان کی تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی، نیز اہل سنت ان لوگوں کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی دی ہے، ان سے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت بن قیس بن شماس اور دیگر صحابہ کرام مراد ہیں۔

وہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں، جو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب سے اور دیگر صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس امت کے پیغمبر محمد ﷺ کے بعد امت محمدیہ میں سب سے بہتر شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد دوسرے نمبر پر عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور تیسرے نمبر پر

عثمان رضی اللہ عنہ جبکہ چوتھے نمبر علی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اس لیے کہ اہل سنت کا اسی بات پر ایمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں، اور جو لوگ ان چاروں میں سے کسی کی خلافت کے بارے میں طعن کرتے ہیں وہ گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ [1]

اور فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات اجتہاد پر مبنی تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان فتنے اور اختلاف رونما ہوئے ان کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ وہ سب اجتہاد پر مبنی تاویل کی وجہ سے رونما ہوئے، سو اس میں جو حق پر تھا اس کو دو اجر ملیں گے اور جو غلطی پر تھا، وہ ایک اجر کا مستحق ہوگا اور اس کی غلطی معاف کر دی جائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوءِ ادب سے پرہیز واجب ہے:

ہم انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی برائی ان پر تنقید اور حرف گیری کرنے سے باز رہیں، اور ان کی ان اچھے الفاظ سے مدح سرائی کریں، جس کے وہ مستحق ہیں، اور ان میں ہر ایک کے متعلق ہم اپنے دلوں کو کینے اور بغض سے پاک اور صاف رکھیں۔ کیونکہ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ﴾

(الحدید: ۱۰)

”تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (اور جس نے بعد میں یہ کام انجام دیا برابر نہیں ہو سکتے) یہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہیں، جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا، اور اللہ نے سب سے بھلائی

[1] عقیدہ واسطیہ، مترجم: ص: ۲۵۸.

(ثواب) کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

اور ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الحشر: ۱۰)

"اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے بعد آئے (اور وہ) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفیق (اور) نہایت مہربان ہے۔"

مذکورہ بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" میں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ان کو اس اختلاف میں معذور سمجھا جائے۔ (عقیدہ اہل سنت والجماعت ص:٦٠) تا کہ دونوں گروہ ہی گناہ سے بری ہو جائیں اور ان پر کسی قسم کا عیب نہ آنے پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہماری معمولی سی کوتاہی کی وجہ سے ان کے بارے میں لوگوں کا ذہن خراب ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلسنّت نے ہمیشہ "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے سلسلے میں سکوت اختیار کیا ہے، لیکن مودودی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جرح وتنقید خوب دل بھر کے کی ہے۔ جو شخص بھی بغیر تحقیق کے ساتھ من گھڑت مجموعہ روایات کو آنکھیں بند کر کے لے گا اس کا ٹھوکر کھانا یقینی بات ہے خود بھی الجھ کر رہ جائے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا اور کسی بھی فریق کے ساتھ عدل وانصاف ہرگز نہیں کر پائے گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مودودی صاحب "خلافت وملوکیت" کا وہی معیار اپناتے کہ جس طرح روایت حدیث میں انتہائی چھان بین سے کام لیا جاتا ہے اور اصول حدیث سے پرکھ کر روایت کی جاتی ہے اسی طرح ان روایات کو جن کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات سے تھا اس طرح پرکھا جاتا تو

حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی، مگر حیرانگی ہے کہ مودودی صاحب کے اس نظریہ پر کہ اگر تاریخ کے معاملے میں بھی تحقیق کا وہی طریق اختیار کیا جائے جو احادیث کے سلسلے میں اختیار کیا گیا تو ہماری تاریخ کا نوے فیصد حصہ رد کرنا پڑے گا تو اس میں کیا حرج ہے کہ اگر تاریخ کا نوے فیصد جھوٹ وافسانہ دریا برد کر دیا جائے۔

ہمارے پاس دین اسلام اللہ تعالیٰ کی نعمت مکمل بھی ہے اور محفوظ بھی ہے۔ دین اسلام کے ہوتے ہوئے قیامت تک ہمیں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے کسی من گھڑت تاریخ یا ازم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فضیلۃ الشیخ، مفسر قرآن، حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ خلافت وملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت میں جناب سرہندی صاحب کا کیا ہوا تبصرہ لکھتے ہیں:

مودودی صاحب نے زیادہ مواد واقدی سے حاصل کیا ہے، مگر ائمہ رجال میں واقدی کذاب اور وضاع کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ امہات کتب تاریخ میں مودودی صاحب نے تاریخ طبری اور طبقات ابن سعد کو سامنے رکھا ہے، اگرچہ طبری نے روایت کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں دی، بلکہ ہر قسم کی صحیح وغلط روایات اکٹھی کر دی ہیں۔ البتہ طبری میں ایک خوبی ہے کہ وہ اپنی روایات کا سلسلۂ اسناد بھی بیان کر دیتا ہے۔ اس لیے ''فن اسماء الرجال'' کی مدد سے اس کی روایات کو پرکھا جاسکتا ہے۔ ابن سعد نے بھی ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں، مگر چونکہ اپنے ماخذ بیان کر دیے ہیں، اس لیے تحقیق و تدقیق کے بعد صحیح اور غیر صحیح میں تمیز کی جا سکتی ہے، مگر مودودی صاحب نے ان روایات کو اسماء الرجال کی مدد سے پرکھنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اندھا دھند نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ایسی روایات سے جب اکابر صحابہ کی شخصیت پر زد پڑتی ہے تو لازم تھا کہ ان روایات کی پوری طرح چھان بین کی جاتی۔ موضوع اور ضعیف، روایات کو مدار بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدف طعن بنانا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام و محبت اور اُن سے عقیدت ہمارے دل و دماغ کا سکون بنائے اور اُن سے بغض و عداوت اور حسد و منافقت سے ہم سب کو محفوظ رکھے، نیز جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سب و شتم یا تنقید کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ صحیح راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔



باب نمبر:۱۱

اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم

اہل بیت کون؟

قرآن وحدیث کی روح سے اہل بیت میں کسی بھی شخص کے اہل وعیال ہوتے ہیں اور کسی عظیم شخصیت کے پیروکار بھی اہل میں داخل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سیّدنا نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کی سفارش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (هود: ٤٥)

’’بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے، اور تیرا وعدہ بھی حق ہے۔‘‘

اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے۔

یعنی پیغمبر کا پیروکار اس کا اہل ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہاں اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں۔

تو یہاں اہل بیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کی نصوص سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۝﴾ (هود: ٧٣)

’’فرشتوں نے کہا...... کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کرتیں ہیں، اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکات ہیں۔ بلاشبہ اللہ کی تعریفیں ہیں، اور اسی کی بزرگی ہے۔‘‘

غور فرمایئے کہ اہل بیت بیوی کو کہا گیا ہے، کیونکہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے ہی

فرشتوں کی بات سن کر تعجب کیا تھا کہ اس بڑھاپے میں اولاد کیسے ہوگی؟

فرشتوں نے اس کے جواب میں کہا کہ اے اہل بیت! یہ تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

غور فرمائیں، کہ جس نے تعجب سے پوچھا ہے۔ جواب اسی کو ملے گا؟ یا کسی اور کو یقیناً اسی کو ملے گا کہ جس نے پوچھا ہے، کیونکہ اس وقت کوئی تھا ہی نہیں بیوی کے سوا۔ اس بیوی کو فرشتے قرآن کے الفاظ میں اہل بیت کہہ رہے ہیں، جس سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ اہل بیت سے مراد بیوی ہے۔ اب دوسری آیت بطور دلیل ذیل میں پیش ہے کہ جس سے واضح ہوتا ہے کہ بیوی اہل بیت ہے۔

﴿فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَھْلِہٖٓ ۝﴾ (القصص : ۲۹)

''تو جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی تو اپنے اہل کو لے کر چلے۔''

یہاں بیوی کو اہل کہا ہے بیوی کے سوا کوئی دوسرا ساتھ نہ تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بیوی اہل ہے۔ تیسری دلیل کہ بیوی اہل بیت میں شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝﴾ (الاحزاب : ۳۳،۳۴)

''اے نبی کی بیویوں! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیز گاری اختیار کرنا چاہتی ہو، تو تم نرم لہجے میں بات مت کرو، اس لیے کہ جس کے دل میں بیماری ہو، وہ کوئی خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو، اور اپنے گھروں میں ہی رہا کرو، اور قدیمی جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو، نماز ادا کرتی رہو، اور زکاۃ دیتی رہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

اطاعت گزاری کرو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے۔ اے نبی ﷺ کی گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کردے۔ اور تمہیں خوب پاک کردے۔‘‘

اسی آیت مبارکہ میں بھی لفظ اہل بیت ہی استعمال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازدواج مطہرات کے لیے اس کے باوجود بھی اگر کوئی نہ مانے۔ تو یقیناً یہ اس کے دماغ کی خرابی کی دلیل ہے کہ جس کی طرف قطعاً توجہ نہ دینا چاہیے۔

ذرا یہ بھی تو سوچیے کہ بیوی یا بیویاں تو اہل بیت میں شامل نہیں، لیکن اس سے پیدا ہونے والی بیٹی کیسے شامل ہوگی۔ یعنی اصل اہل بیت نہیں، لیکن اس کی فرع اہل بیت ہوگئی۔ سبحان اللہ کیا خوب طرز استدلال ہے۔

چادر والی حدیث:

رسول اللہ ﷺ نے چادر اوڑھی ہوئی تھی اور سیّدنا حسن و حسین و علی اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ [1]

اگر یہ اہل بیت ہیں تو پھر یہ وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ کیا لوگ اس بات کو جانتے نہیں تھے، اگر جانتے تھے تو پھر ان کی وضاحت کیوں کی کہ یہ میرے اہل بیت ہیں؟

ذرا غور فرمایئے! بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کے متعلق کہتا ہے کہ یہ میرا اپنا ہے۔ حالانکہ وہ اپنا ہوتا نہیں ہے صرف یہ واضح کرنے کے لیے کہ میرے نزدیک ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ نا کہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میرا تو یہی ہے اس کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے۔ یقیناً ایسا مطلب تو کوئی بے وقوف ہی سمجھ سکتا ہے۔ صاحب شعور تو کبھی بھی ایسا مفہوم نہیں لے سکتا۔ واللہ اعلم۔

یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنا اہل بیت قرار دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ دوسرا کوئی اہل بیت ہی نہیں، جیسا کہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص اس بات

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۸۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔

کی وضاحت کر رہی ہیں کہ بیوی اہل بیت میں شامل ہے۔

لہٰذا ازواج مطہرات کو اہل بیت سے نہیں نکالا جا سکتا۔ بلکہ حقیقت میں اہل بیت بیویاں ہی ہیں۔ اس کے ساتھ رسول ﷺ نے سیّدنا علی، سیّدہ فاطمہ اور سیّدنا حسن حسین رضی اللہ عنہم کو بھی اپنا اہل بیت قرار دیا۔ چنانچہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ "نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ" دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيًّا وَّفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّحُسَيْنًا، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِ بَيْتِیْ.)) [1]

''جب اس آیت کا نزول ہوا۔ ''ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ........'' تو رسول اکرم ﷺ نے سیّدنا علی، سیّدہ فاطمہ اور سیّدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور دعا کی: یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

نیز سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

((خَرَجَ النَّبِیُّ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ، مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ، فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ فَاَدْخَلَهٗ، ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ رضی اللہ عنہ فَدَخَلَ مَعَهٗ، ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ رضی اللہ عنہا فَاَدْخَلَهَا، ثُمَّ جَاءَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ فَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ قَالَ: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الاحزاب: ٣٣).)) [2]

''ایک صبح نبی کریم ﷺ سیاہ بالوں کی بنی ہوئی نقش و نگار والی چادر اوڑھے نکلے تو حسن رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے وہ بھی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ چادر میں آ گئے۔ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو ان کو

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة: رقم: ٦٢٢٠.

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٦١.

بھی اپنی چادر میں لے لیا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی اپنی چادر میں لے لیا اور فرمایا، اے اہل بیت اللہ کی یہ چاہت ہے کہ تم سے گندگی دور کرے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔“

یہ دونوں حدیثیں واضح ترین نص ہیں کہ مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔

قرآن حکیم میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق بیوی پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگ تعصب اور جاہلیت کی بنا پر ازدواج مطہرہ رضی اللہ عنہن کو اہل بیت سے باہر نکالنے کی گھٹیا حرکت کرتے ہیں۔

چنانچہ اسی ضمن میں چند آیات قرآنیہ ذیل میں پیش ہیں:

﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝﴾ (ھود : ۷۳)

”فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے اس گھر کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔“

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝﴾ (القصص : ۱۲)

”ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، یہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں، جو اس بچے کی تمہارے لیے پرورش کرے اور ہوں بھی اس بچے کے خیر خواہ۔“

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝﴾ (القصص : ۲۹)

”جب (سیّدنا) موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے

تو کوہِ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں، تاکہ تم سینک لو۔''

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ○ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ۔ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ○﴾

(الاحزاب: ۳۳، ۳۴)

''اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیمی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو، زکوٰۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں، ان کا ذکر کرتی رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبردار ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اہل سنت والجماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المومنین سے اظہار محبت کرتے ہیں، اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ سبھی آخرت میں آپ کی بیویاں ہوں گی خاص طور پر خدیجہ رضی اللہ عنہا اس لیے کہ وہ آپ کی کثیر اولاد کی والدہ ہیں اور وہ ایسی خاتون ہیں کہ جن کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین ساتھیوں میں ہوتا ہے جو آپ پر ایمان لائے، آپ کے مشن کو تقویت پہنچائی، یہی وجہ ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مقام آپ کے ہاں بہت اونچا تھا اس کے بعد

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیگر بیویوں پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اسی طرح ہے، جس طرح کہ ثرید کو دیگر کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔'' [1]

اہل بیت کی فضیلت:

اہل بیت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق رکھتے ہیں، ضروری ہے کہ ان کا ادب و احترام کیا، جائے۔ ان کے بارے میں نیکی کے جذبات رکھے جائیں۔ اوران سے بغض وعناد قطعاً حرام ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے بارے میں خاص نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْبًا ، بِمَاءٍ يُّدْعٰى خُمًّا ، بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ، وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ، ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ ! اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُّوْشِكُ اَنْ يَّاتِيَ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ ، وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ الثَّقَلَيْنِ: كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرَ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ ، وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابَ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ، ثُمَّ قَالَ: وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ ، وَفِيْ رِوَايَةٍ كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ، وَمَنْ كَانَ تَرَكَهٗ كَانَ عَلَى الضَّلٰلَةِ .)) [2]

''ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لیے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ''خم'' نامی پانی کے چشمے پر کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! آگاہ رہو۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک

---

[1] عقیدہ واسطیہ، مترجم

[2] صحیح مسلم، كتاب فضائل الصحابه، رقم : ٦٢٢٥.

بشر ہوں، ہوسکتا ہے کہ جلدی میرے رب کا فرستادہ میرے پاس آئے اور مین اس کو قبول کرلوں۔ اور میں تم میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں، ان میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اورنور ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو تھام لو اوراس پر مضبوطی سے عمل کرو۔ چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کی حفاظت پر زور دیا اوراس کی رغبت دلائی۔ پھر فرمایا، دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں ایک اور روایت میں ہے کہ کتاب اللہ، اللہ کی رسی ہے، جواس پر چلے گا وہ ہدایت پر رہے گا۔ اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔''

غور فرمائیں! آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کو کیا خوب مقام دیا ہے کہ انہیں ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے، اس لیے فرمایا کہ میں تو جارہا ہوں، لیکن تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں یعنی یہ دونوں چیزیں تمہارے لیے کافی ہو جائیں گی: ایک اللہ کی کتاب دوسرا میرے اہل بیت! اس سے اہل بیت کا مقام واضح ہے۔



خلیفہ چہارم

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ کے اہل بیت میں سے ایک عظیم شخصیت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی ہے جو خلفاء ثلاثہ کے بعد امت کی افضل ترین شخصیت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی خصوصی پیار اور تعلق تھا۔

نام، نسب اور خاندان:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف بن قص بن کالب بن مرہ بن کعب بن لوی ہے۔

آپ کی ایک کنیت ابوالحسن جبکہ دوسری کنیت ابوالتراب ہے۔

اور آپ کا لقب حیدر ہے۔

ابو طالب کی شادی چونکہ اپنے ہی خاندان کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں جانب یعنی ننھال اور دھدیال کی طرف سے ہاشمی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں۔

خاندان بنو ہاشم کو عرب میں کیا اہمیت و مقام حاصل تھا، وہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ خانہ کعبہ کی خدمت کی وجہ سے اہل عرب ان کو انتہائی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سیادت و قیادت ہمیشہ ہی ابو ہاشم کے پاس رہی۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد محترم جناب ابو طالب مکہ کے با اثر بزرگوں میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی آغوش میں پرورش پائی اور انہوں نے دین اسلام کی ہر طرح سے خدمت بھی کی۔ اور تکالیف بھی برداشت

کیں۔لیکن کبھی بھی اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہیں اٹھایا۔ بلکہ اپنی طاقت سے بڑھ کر دین اسلام کی خدمت کی۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے بڑی کوشش کی۔ کہ کسی طرح میرا چچا مسلمان ہو جائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے کان میں ہی کلمہ پڑھنے کو درخواست کی۔لیکن پوری نہ ہوسکی۔جس کا رسول ﷺ کو بہت دکھ ہوا۔

جناب ابو طالب کثیر العیال تھے۔لیکن معاشی حالت کوئی زیادہ بہتر نہ تھی قحط اور خشک سالی نے اس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ابو طالب کی معاشی حالت انتہائی کمزور ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ ان کی حالت دیکھی نہ گئی۔ایک دن آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں چچا کی مشکل میں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری عباس رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہے۔اور علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کی ذمہ داری خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر لی۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بعثت نبی سے تقریباً دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال ہوئی۔تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر نبوت کا مبارک تاج سجا دیا گیا۔

قبول اسلام:

اس دوران سیّدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن آپ ﷺ اور سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو عبادت میں مصروف دیکھا۔اور بچگانہ حیرانگی سے پوچھا کہ آپ ﷺ لوگ یہ کیا کر رہے تھے۔آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو منصب بنوت کی خبر دی۔کفر کی مذمت کی اور توحید کی دعوت دی۔ چونکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ایسی چیز سے ناآشنا تھے، اس لیے کہا کہ میں اپنے والد محترم سے مشورہ کروں گا۔آپ نے ان کو منع کر دیا، کیونکہ ابھی تک آپ ﷺ دین کی تبلیغ چھپ چھپا کر کر رہے تھے۔لیکن اس واقعہ کے دو دن بعد ہی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا۔

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: ٢١٤)

''کہ آپ ﷺ قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔''

تو آپ نے ایک دعوت کا انتظام کروایا۔ اس دعوت میں مکمل ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، چنانچہ دعوت کا خوب اچھا انتظام کیا۔ باوجود اس بات کہ علی رضی اللہ عنہ کی عمر ابھی بالکل تھوڑی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ولی کو بے پناہ صلاحیتیں عطا کر رکھیں تھیں۔ بہرحال جب قریش دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے دعوت اسلام یعنی توحید کی دعوت رکھی۔ اور لوگوں کو فرمایا کہ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی کامیابی لے کر آیا ہوں۔ تو کون ہے جو تم میں سے میرا ساتھ دے۔ اس آواز پر کسی نے لبیک نہیں کہا۔ بلکہ ابولہب نے کہا۔

((تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا .))

اے محمد ﷺ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو نے اس لیے ہمیں یہاں جمع کیا تھا۔ اس موقعہ پر علی رضی اللہ عنہ جن کی عمر بمشکل پندرہ سال ہوگی۔ کہنے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ قریش والوں کو وہی دعوت دی۔ لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بچہ سمجھ کر پھر بٹھا دیا۔ تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے پھر اہل قریش کو دعوت دی۔ اہل قریش نے کوئی جواب نہ دیا، علی رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ رسول اللہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو۔ (مسند احمد، ١/١٠٠، طبری، ص: ٢٧٢)

اس واقعہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہادری اور آپ ﷺ سے محبت وعقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقام آپ کے نزدیک انتہائی اعلیٰ تھا۔ جس کا اظہار آپ ﷺ نے اپنے فرامین سے بھی کیا۔ اور اپنی سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی سیّدہ نساء اہل الجنۃ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے کر کیا۔ اہل عقل وخرد جانتے ہیں کہ صاحب

شعور رشتہ ان سے قائم کیا کرتے ہیں، جو بلند ترین اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں، آپ ﷺ کا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ دینا ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بلند ترین انسان ہیں۔ جو کہ داماد نبی کے لیے منتخب ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اپنے فرامین سے واضح کیا۔ کہ میرے نزدیک علی رضی اللہ عنہ انتہائی اہم شخص ہیں آپ کا ارشاد پاک ہے۔

((اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ .)) ❶

اس حدیث سے اندازہ لگایئے کہ آپ ﷺ کے ہاں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے کہ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا اسی طرح جس طرح موسی علیہ السلام نے طور پر جاتے ہوئے بنی اسرائیل کی اصلاح کی ذمہ داری ہارون کے سپرد کی تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''تم میرے نزدیک وہی مقام رکھتے ہو۔ جو مقام موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ھارون کا تھا۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا۔''

اس لیے بعض کوتاہ فکر ونظر لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلافت کا حق علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ دیکھئے مذکورہ حدیث میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو سیّدنا ھارون علیہ السلام کی خلافت سے تشبیہ دی گئی ہے، حالانکہ ھارون علیہ السلام سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے حکومت میں خلیفہ نہ تھے۔ بلکہ دینی امور کی ذمہ داری میں خلیفہ تھے۔ کیونکہ ھارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال قبل فوت ہوئے تھے۔ اس وجہ سے حکومت میں خلافت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو جب اصل کہ جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، وہ خلیفہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب صرف اور صرف عارضی امور چلانے کے لیے بنایا تھا تا کہ اپنے بعد مستقل خلیفہ ہونے کی ضمانت دی تھی۔ کیونکہ یہی مقام ھارون علیہ السلام کا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے اس کی خود وضاحت کی ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۷۰۶، ۴۴۱۶، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۱۷.

﴿هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ ﴾ (الاعراف : ۱٤۲)

''اے ھارون! میرے بعد قوم میں میرا خلیفہ بن جا اور ان کی اصلاح کر۔ فساد کرنے والوں کے پیچھے مت لگنا۔''

اس آیت نے واضح کیا کہ سیّدنا ہارون علیہ السلام کا اصل کام اصلاح کا تھا تا کہ حکومت کرنا اور نہ ہی یہ ذمہ داری سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے ھارون کے سپرد کی تھی۔ بس یہی ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی، جیسا کہ دوسری احادیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ تم مدینہ میں رہ کر عورتوں اور بچوں کا خیال کرو۔

لہٰذا اس حدیث سے مبارکہ سے خلافت پر استدل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عظیم مقام ہے۔ اور انتہائی قابل اعتماد ہیں۔ اسی لیے آپ نے ان کو بھی اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

((إِنَّ عَلِيًّا مِنِّی وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَهُوَ وَلِیُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِیْ.)) [1]

''کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا دوست ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے۔

((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ.)) [2]

''جس شخص کے ساتھ میں دوستی رکھتا ہوں، اس سے علی بھی دوستی رکھتا ہے۔''

یہ ساری کی ساری روایات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو واضح کر رہی ہیں۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مقام ہے۔ اس کا بھی ان سے اظہار ہو رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کو بھی ضروری قرار دے رہی ہیں۔ کیونکہ اُن سے محبت

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۱۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۷۱۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کی دلیل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت فرض ہے۔ جب تک آپ سے محبت نہ ہوگی۔ کوئی شخص مومن کہلانے کا قطعاً حق دار نہیں۔ اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مومن تو محبت ہی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

((وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ﷺ اِلَیَّ: اَنْ لَّا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ ، وَلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ .)) [1]

''اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا اور ہر جاندار چیز کو پیدا فرمایا کہ نبی امی ﷺ نے مجھ سے تاکیداً کہا تھا کہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت کرے گا اور منافق کے سوا اور کوئی مجھ سے بغض نہیں رکھے گا۔''

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مومن تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں۔ اور منافق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں کرتے، کیونکہ سیّدنا رضی اللہ عنہ اللہ کا محبوب ہے۔ اور جو اللہ کا محبوب ہوتا ہے اس سے محبت لازم ہوتی ہے۔ بصورت دیگر اللہ اس شخص سے ناراض ہو جاتا ہے کہ جو اللہ کے محبوبوں سے محبت نہ کرے۔ جیسا کہ قرآنی آیت کا مفہوم ہے: جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرتا ہے تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔

ذرا غور فرمایئے کہ اللہ کے محبوبوں سے دشمنی اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اور یقینی بات یہ ہے کہ اللہ سے جنگ کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت اس حیثیت سے بھی لازم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محبوب ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام مومن ان سے محبت کرتے ہیں۔

چنانچہ سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا: کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوگا اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ بھی اُس سے محبت رکھتے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الإیمان، رقم: ۲۴۰.

ہوں گے، صبح ہوتے ہی سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ہر ایک کو یہ امید تھی کہ شاید جھنڈا مجھے ملے، آپ ﷺ نے فرمایا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی آنکھوں میں (درد کی) شکایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی طرف کسی کو بھیجو، خیر انہیں لایا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لب مبارک لگا دیا اور اُن کے لیے دعا کی، پھر وہ اس سے تندرست ہوگئے، جیسے کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ آپ ﷺ نے جھنڈا اُن کے حوالے کیا، کہنے لگے: یارسول اللہ! میں اُن سے اُس وقت تک لڑوں گا جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہوجائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایسا کرتا چلا جا جب تو اُن کی زمین پر پہنچے تو اُن کو اسلام کی دعوت دینا اور اللہ کی طرف جو ان پر حق واجب ہیں اُن کو بتلا دینا، اللہ کی قسم! اگر تیری وجہ سے اللہ ایک شخص کو راہ ہدایت پر لے آئے تو وہ تیرے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' [1]

غور فرمایئے، کہ اس حدیث میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب قرار دیا گیا ہے۔ نیز علی رضی اللہ عنہ بھی ان دونوں سے ہی محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ حقیقی مومن ہیں کہ جن سے محبت کرنا لازم ہے۔

لیکن اس محبت میں غلو (انتہائی زیادتی) سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آج بعض لوگوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی آڑ میں شرکیہ عقائد اختیار کرر کھے ہیں۔ یعنی ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں جو کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جو اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دی جاسکتیں ہیں۔ مثلاً علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا ہے، ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے، اس کے نام کی نذر دی جائے جس سے بیماریوں اور پریشانیوں سے نجات ملتی ہے، کوئی علی رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ حالانکہ یہ ساری صفات اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: ۴۲۱۰، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۲۳.

﴿وَ يَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ٥﴾ (النحل : ٦٢)

''کہ وہ کون ہے کہ جو مجبور و بے بس انسان کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے، اور پھر وہ اس کی پریشانی کو دور بھی کر دیتا ہے۔ اور وہ تم کو زمین میں نائب (ایک دوسرے کے جانشین) بھی بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟''

لیکن بہت کم ہی تم نصیحت کو قبول کرتے ہو۔

غور فرمایئے! مشکلات و مصائب میں کام آنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے علاوہ کسی کو حق نہیں ہے کہ کوئی کسی کی پریشانی بلا واسطہ حل کر سکے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں بلا واسطہ کا مطلب ہے۔ کہ دونوں کے درمیان بظاہر کوئی تعلق موجود نہیں ہے۔ ایسی حالت میں مدد کرنا صرف اور صرف اللہ کا کام ہے۔ یہی انداز اگر اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی اپنایا جائے۔ اور یہ سوچ رکھی جائے کہ فلاں بھی بلا واسطہ مدد کر سکتا ہے۔ تو ایسی سوچ شرکیہ اور کفریہ سوچ ہوگی کہ جس کی قرآن و حدیث قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ ہاں ایک مدد ہوتی ہے بالواسطہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ذات یا شخص سے مدد حاصل کی جائے کہ جس سے آپ کا کوئی تعلق ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ مجھے روٹی دو۔ استاد اپنے شاگرد سے کہتا ہے کہ میرا فلاں کام کر دو۔ آپ اپنے کسی دوست سے کہتے ہیں جو کہ کوئی بڑا افسر ہے کہ میرا فلاں کام کر دہ وغیرہ وغیرہ یہاں بھی آپ مدد طلب کر رہے ہیں۔ لیکن یہ مدد آپ بالواسطہ مانگ رہے ہیں۔ اس طرح کی مدد طلب کرنا قطعاً شرک نہیں ہے۔ بلکہ شریعت کے اندر پسندیدہ چیز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ٥﴾ (المائدہ : ٢)

''کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''

ہاں جس مدد کو کفریہ یا شرکیہ فعل کہا جاتا ہے، وہ ایسی مدد ہے کہ جو بلا واسطہ ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ یقیناً آپ بہت سے غلط عقائد و نظریات سے بچ جائیں گے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ دوسروں سے یعنی بزرگوں، اولیاء اللہ، درختوں اور پتھروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ اور ان سے مشکل کشائی طلب کی جاتی ہے۔ یہ وہی مدد کی صورت ہے کہ جس کی وجہ سے ایک انسان شرکیہ اور کفریہ کام کر بیٹھتا ہے۔ جس سے بچنا از حد ضروری ہے۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ جو عقیدہ بنایا ہوا ہے کہ مشکل کشا ہیں، حاجت روا ہیں، اور مدد کرنے والے ہیں، یقیناً یہ ان سے محبت اور فضیلت میں غلو کا نتیجہ ہے۔ جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے سب کچھ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہی سمجھ رکھا ہے۔ الٰہی صفات بھی ان میں پیدا کر دی ہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ کہ جو ان کی شان میں گستاخی کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ شیعہ کا ہی ناصی فرقہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو انتہائی برا کہتا ہے۔ اور ان سے نفرت کرتا ہے۔

یہ دونوں ہی غلط ہیں ان دونوں کے بیچ ایک گروہ اہل حق کا گروہ ہے جو کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کو صفات الٰہی سے متصف نہیں کرتا۔ اور ان سے نفرت کرنے کو انتہائی جرم سمجھتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِي .)) [1]

''کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو اس نے مجھے گالی دی۔''

غور فرمائیں! کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالی دینا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کے مترادف ہے اور رسول اللہ کو گالی دینے والے کا انجام کیا ہوگا۔ بایں وجہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی قطعاً جرم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے تنازعات کو پیش کر کے کسی

---

[1] مسند احمد ٦/٣٣٣، رقم: ٢٦٧٤٨، مستدرك حاكم ٣/١٢١، رقم: ٤٦٧٣، اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

صحابی کی بھی شان میں تنقیص نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ان کے اختلاف کو اجتہادی غلطی قرار دے کر ان کو اس غلطی سے بری قرار دینا چاہیے۔ کیونکہ اجتہاد کرنے والے کو دونوں صورتوں میں چاہے مقصودہ تک پہنچ جائے۔ یا غلطی کر جائے۔ ثواب ہی ملا کرتا ہے، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے اختلاف کو اجتہادی غلطی ہی قرار دینا چاہیے۔ تاکہ وہ اس سے بری ہو جائیں۔

اور ہماری زبانیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی سے محفوظ ہو جائیں۔

غزوات:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی بڑی ہی مصروف زندگی تھی۔ کیونکہ یہ زمانۂ عہد شباب تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ سیّدہ نساء اھل الجنۃ کے ساتھ شادی بھی ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے بھی یہ وقت بڑا ہی مصروف گزرا۔ گھریلو ضروریات کو پورا بھی کرنا ہوتا تھا، اور دین اسلام کی تبلیغ کے لیے محنت اور کوشش بھی کرنا ہوتی تھی، چونکہ کفار کو دین کا پھلنا پھولنا پسند نہ تھا، اس وجہ سے دین کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے کئی دفعہ کفار سے نبرد آزمائی ہوئی اور فرزندانِ اسلام نے اسلام کے لیے اپنے خون کے نذرانے دینے سے بھی کبھی گریز نہ کیا، بلکہ ہر معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جناب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے بھی تقریباً سب ہی معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور انتہائی قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے، جن کی مختصر تفصیل سطور ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

غزوۂ بدر:

سلسلۂ غزوات میں یہ سب سے پہلا غزوہ ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی، جبکہ کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ اس جنگ میں بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے انتہائی اہم خدمات انجام دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کفار کی نقل وحرکت اور قوت کے اندازہ لگانے کے لیے بھیجا، انہوں نے یہ کام بخوبی سرانجام دیا۔

جنگ بدر میں دو جھنڈے تھے، ان میں سے ایک جھنڈا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، عربوں کے طریقۂ کار کے مطابق دونوں فوجیں جب آمنے سامنے آ گئیں، تو مشرکین کے تین بہادروں نے آگے بڑھ کر مسلم فوج کو مقابلہ کے لیے چیلنج کیا، تو تین انصار مقابلہ کے لیے نکلے، مشرکین نے تعارف کے بعد کہا کہ ہمیں تم سے سروکار نہیں ہے، ہمارے مقابلے کے لیے ہمارے چچاز زاد کو بھیجو۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حمزہ، علی اور عبیدہ کھڑے ہو جائیں، تینوں میدان میں آ گئے۔علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا، ایک ہی وار میں اس کو واصل جہنم کیا اور آگے بڑھ کر عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حریف شیبہ کو بھی قتل کر دیا۔ جبکہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل کو قتل کر چکے تھے۔ اس کے بعد جنگ عام شروع ہو گئی، اس میں بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بہت سے کفار کو جہنم واصل کیا۔ الغرض اس جنگ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کارنامے نمایاں تھے۔

(سیرت ابن ہشام غزوہ بدر)

غزوۂ اُحد:

یہ جنگ ۳ھ شوال کے مہینہ میں ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی، تاہم معمولی کوتاہی کی وجہ سے انتہائی پریشان کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ستر سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چوٹیں لگیں۔ کفار نے سارا زور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے لگا رکھا تھا۔ لیکن جانثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دے رہے تھے۔ چنانچہ سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کفار کو آخر وقت تک روکے رکھا۔ جب وہ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے، تو آگے بڑھ کر جھنڈا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تھاما اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب دفاع کیا، اور کسی کافر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں آنے دیا، اور جب کفار کے علم بردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا۔ تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس مردار کے جسم کو ایک ہی وار میں خاک وخون میں نہلا دیا۔

مشرکین کا زور کم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ساتھ مل کر پہاڑی پر

لے گئے، زخم دھوئے گئے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پانی لاتے تھے، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم دھوتی تھیں اور چٹائی جلا کر زخم کو بھر دیا گیا، الغرض کہ اس جنگ میں بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمات اہم رہیں۔

غزوۂ خندق:

یہ جنگ ۵ ھ میں پیش آئی، کفار کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، اس طرح ایک دفعہ کفار نے حملہ کیا، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان کو بھگا دیا۔ کافروں کے سردار عمرو بن عبدود نے مقابلہ کی دعوت دی، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کی دعوت قبول کی، اس نے کہا کہ میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے نیچے کود پڑا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بقیہ ساتھی انجام دیکھ کر بھاگ گئے۔ (سیرت ابن ہشام)

بنوقریضہ:

یہ یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا معاہدہ تھا، لیکن انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور کفار قریش کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے ان پر حملہ کیا گیا۔ اس جنگ میں بھی علم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

صلح حدیبیہ:

۶ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کعبہ کا پروگرام بنایا۔ لیکن کفار نے اس کی اجازت نہ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ اس مقام پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی گئی، تو علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ پھر جب صلح نامہ لکھا گیا تو تحریر علی رضی اللہ عنہ ہی کر رہے تھے، انہوں نے حسبِ سابق یہ لکھا:

((هذا قاضى عليه محمد رسول الله .))

"کہ یہ صلح ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔"

مشرکین نے اعتراض کیا کہ لفظ ''رسول اللہ ﷺ'' کو مٹا دیجئے، کیونکہ ہم آپ ﷺ کو اگر رسول اللہ ﷺ مانتے ہوتے تو پھر لڑائی کس بات کی۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے کہا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو، لیکن علی رضی اللہ عنہ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا، کہنے لگے: اللہ کی قسم، میں اس کو مٹا نہیں سکتا، آپ ﷺ نے خود لفظ رسول اللہ ﷺ کو مٹا دیا۔ [1]

فتح خیبر:

۷ ھ میں ہوا۔ اس موقع پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو شان اور عزت نصیب ہوئی، جو بہت کم لوگوں کا مقدر اور نصیب ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب قرار دیا، نیز یہ بھی بتایا کہ اُس کے بھی محبوب اللہ اور رسول ہی ہیں۔ جب خیبر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا تو مرحب جو کہ یہودیوں کا مغرور سردار تھا یہ رمز پڑھتا ہوا آگے بڑھا:

قد علمت انی مرحب　　شاکی السلاح بطل مجرب

''خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، سلح پوش ہوں، بہادر ہوں اور تجربہ کار ہوں۔''

اذا الحروف اقبلت تھلت

''جبکہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس رمز کا جواب یوں دیا:

انا الذی سمتنی امی حیدرۃ　　کلیث غابات کریہ المنظرۃ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا حیدر نام رکھا ہے، جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا ہوں۔''

أو فیھم بالصالع کیل السدرۃ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: ۲۶۹۹.

''میں دشمنوں کو بڑی تیزی سے قتل کر دیتا ہوں۔''

اور جھپٹ کر ایک ہی وار کیا اور مرحب کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت و بہادری کے ساتھ اس کو فتح کر لیا۔

قارئین محترم! سیّدنا علی رضی اللہ عنہ تقریباً تمام غزوات میں شریک رہے اور انتہائی حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے، فتح مکہ کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ غزوہ حنین کے موقعہ پر ایک مشکل پیش آئی، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حواس باختہ ہو گئے، لیکن ان جانثاروں کے جو ثابت قدم رہے، ان میں ایک سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ الغرض سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہر معرکہ میں نمایاں نظر آئیں گے اور انفرادی حیثیت رکھتے تھے۔

انہی خصوصیات کی وجہ سے امت مسلمہ ان کا بے حد ادب و احترام کرتی ہے اور ان کو ایک خاص مقام دیتی ہے۔ چنانچہ جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو انصار و مہاجرین نے اتفاق سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے منتخب کیا۔ جو کہ ان کی عظیم خدمات کا اعتراف تھا۔ سیّدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں درد کرتی تھیں دل میں سوچنے لگے، میں اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیچھے رہوں؟ چنانچہ مدینہ منورہ سے نکلے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے جب فتح والے دن کی رات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کل میں اُس شخص کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبت ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں ہمیں ان کے آنے کی امید نہیں تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا علی رضی اللہ عنہ آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں جھنڈا عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح فرمائی۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، رقم: ۲۹۷۵، صحیح مسلم كتاب الجهاد، رقم: ۱۸۰۷.

خلافت:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین روز بعد علی رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عثمان کا خلیفہ مقرر کر لیا گیا۔ اگرچہ اس منصب جلیلہ کو قبول کرنے سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے پس و پیش سے کام لیا تاہم انصار و مہاجرین کے اصرار پر یہ منصب قبول کرنا پڑا۔

شہادت:

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کی صبح کو بد بخت ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات اوصاف حمیدہ کی مجموعہ تھی۔ چنانچہ جو بھی خوبیاں کسی بھی اچھے انسان میں ہونی چاہیے۔ وہ ساری کی ساری خوبیاں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اندر موجود تھیں۔ مثلاً امانت و دیانت، زہد و تقویٰ، یہ ایسی خوبیاں ہیں جو کسی بھی انسان کے اچھے ہونے کے لیے کافی ہیں۔

آپ انتہائی عبادت گزار تھے، چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کیسے انسان تھے؟ تو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

((کان ماعلمت صواما وقواماً)) [1]

''کہ جو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانتی ہوں تو بس یہی ہے کہ وہ روزے رکھنے والے اور بہت زیادہ نفلی نماز پڑھنے والے تھے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ کو ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ اور دس مرتبہ الحمدللہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کا حکم دیا، نیز سوتے وقت ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کلمات کو کبھی بھی نہیں چھوڑا۔ ابن کواء نے کہا کہ جی یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفین کی رات بھی نہیں چھوڑے۔ فرمایا کہ نہیں۔ [2]

---

[1] سنن ترمذی کتاب المناقب.

[2] صحیح بخاری، کتاب النفقات، رقم: ٥٣٦١، ٥٣٦٢.

غور فرمایئے! کہ عبادت کا کس قدر اہتمام کرنے والے تھے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کمزور نہ پڑتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہی دراصل کامیابی ہے۔ آپ کا زہد و تقویٰ بھی عظیم تھا۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کے سامان میں آخر عمر تک کوئی اضافہ نہ کر سکے۔



سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

اہل بیت میں سے آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت زیادہ پیار تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی ہیں ان کی تکلیف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً پسند نہ کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رنجیدہ دیکھ کر فرمایا۔

((فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبهَا اَغْضَبَنِیْ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ یُرِیْبُنِیْ مَااَرَابهَا وَیُؤْذِیْنِیْ وَاٰذَاهَا .)) [1]

"فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا۔ دوسری روایت ہے، جس بات سے اسے کوئی رنج پہنچتا ہے، وہ مجھے رنجیدہ کر دیتی ہے۔ جو چیز اسے اذیت دیتی ہے، وہ میرے لیے بھی باعث اذیت ہے۔"

غور فرمائیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف دینے والا حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے والا کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے سیّدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نظریات وعقائد بالکل پاک وصاف رکھنے چاہیے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں ان کی چال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے مشابہ تھی۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا، میں اپنی بیٹی کا خیر مقدم کرتا ہوں آپ نے ان کو بٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی راز کی بات کی تو وہ زور سے رونے لگیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حزن وملال دیکھا، تو دوبارہ سرگوشی کی، تو فاطمہ ہنسنے لگیں۔ پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ۳۷۶۷، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۳۰۸.

اٹھ کر چلے گئے، تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے دریافت فرمایا، کہ رسول محترم ﷺ نے تجھ سے کیا راز کی بات کی؟ تو انہوں نے جواب دیا، میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہ کروں گی۔ پھر جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوگئی تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، میں تجھے اس حق (کہ میں تمہاری ماں ہوں) کا واسطہ دیتی ہوں، جو میرا تجھ پر ہے، کہ اب مجھے بتا دے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ہاں اب بتاؤں گی۔ جب آپ نے پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے مطلع کیا کہ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام میرے ساتھ سال میں ایک بار قرآن کا دور کیا کرتے تھے، لیکن اس سال انہوں نے دوبار دور کیا ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور صبر کرنا۔ میں تیرے لیے بہترین آگے جانے والا ثابت ہوں گا۔ اس پر میں رونے لگی۔ جب آپ ﷺ نے مجھے غمگین پایا، تو آپ نے دوسری سرگوشی کی اور فرمایا، فاطمہ! کیا تو اس بات پر خوش نہیں، کہ تو تمام جنتی یا اہل ایمان عورتوں کی سردار ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سرگوشی میں یہ راز کی بات مجھے بتائی، کہ آپ اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ تو میں رونے لگی۔ پھر آپ نے سرگوشی کی کہ آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے آپ ﷺ کے پیچھے آنے والی میں ہوں گی، تو میں ہنسنے لگی۔ [1]

غور فرمائیں! کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا جنتی عوتوں کی سردار ہیں اور رسول ﷺ کی راز داں بھی ہیں۔ اور یہ حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت کی بھی دلیل ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتی تھی۔ ایسے ہی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہ ان کو اپنی بیٹی قرار دے رہی ہیں۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جوان صحابیات رضی اللہ عنہم میں نفرت آمیز واقعات بیان کرکے نفرت وعداوت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا حدیث ان کی آپس کی محبت کی دلیل ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الإستئذان، رقم: ٦٢٨٥، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣١٣.

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ

آپ اہل بیت کے عظیم فرد ہیں۔رسول ﷺ کو ان سے بے پناہ محبت ہے۔آپ ﷺ ان کی دلجوئی کرتے تھے، نیز سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اللہ کے بھی محبوب ہیں۔ چنانچہ سیّدنا براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہما عَلٰی عَاتِقِهٖ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ .)) ❶

''انہوں نے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو نبی کریم ﷺ کے کندھوں پر سوار دیکھا اور آپ نے یہ دعا مانگی، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔''

اور سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَنَّهُ کَانَ یَاْخُذُهٗ وَالْحَسَنَ رضی اللہ عنہ فَیَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُمَا فَاِنِّیْ اُحِبُّهُمَا وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْخُذُنِیْ فَیُقْعِدُنِیْ عَلٰی فَخِذِهٖ وَیُقْعِدُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ عَلٰی فَخِذِهِ الْاُخْرٰی ثُمَّ یَضُمُّهُمَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُهُمَا .)) ❷

''آپ ﷺ اسے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھاتے اور فرماتے، اے ہمارے اللہ! ان دونوں سے محبت فرما! بے شک مجھے یہ دونوں محبوب ہیں۔ ایک روایت میں

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: ٣٧٤٩، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٢٥٨.

❷ صحیح بخاری، کتاب الأدب، رقم: ٦٠٠٣.

بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ مجھے پکڑتے، اور اپنی ران پر بٹھاتے۔ اور سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پکڑتے اور اسے دوسری ران پر بٹھاتے پھر دونوں کو (سینے سے) ملاتے ہوئے دعا کرتے۔ یا اللہ! ان دونوں پر رحم فرما، بے شک میں ان دونوں پر شفقت کرتا ہوں۔‘‘

اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی طَائِفَةٍ مِّنَ النَّهَارِ حَتّٰی اَتٰی خِبَاءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ ((اَثَمَّ لُكَعُ اَثَمَّ لُكَعُ)) يَعْنِیْ حَسَنًا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ يَسْعٰی حَتَّی اعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَه فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ .))[1]

’’میں دن کے کسی وقت رسول ﷺ کے ساتھ باہر نکلا یہاں تک کہ آپ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے۔ فرمایا یہاں چھوٹا بچہ ہے؟ یعنی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ وہ فوراً دوڑتے ہوئے آ گئے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے گلے ملا۔ اور دنوں یعنی نبی کریم ﷺ اور حسن رضی اللہ عنہ گلے ملے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو لوگ اس سے محبت کریں تو بھی ان سے محبت فرما۔‘‘

ان تینوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس لیے گھر میں داخل ہوتے ہی اُن کے بارے میں پوچھتے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے۔ کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ جو اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ چنانچہ سیّدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، رقم: ۲۱۲۲، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۵۷.

((رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما اِلٰی جَنْبِهٖ وَهُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَیْهِ اُخْرٰی وَیَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ .)) [1]

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے اور سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان کے پہلو میں ہیں۔ کبھی آپ لوگوں کی طرف رخ فرماتے اور کبھی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اور آپ نے فرمایا، میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عین میدانِ جنگ میں سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے عظیم نانا کی عظیم پیشین گوئی کو سچ ثابت کر دکھایا۔ جوان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے جو کہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خلافت سے دست بردار ہو گئے۔



[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: ۲۷۰۴.

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرح سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی بڑے ہی عظیم تھے۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور اللہ تعالیٰ کے پیارے تھے۔ بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خاص قرار دیا۔ اور ان سے محبت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت قرار دیا ہے۔

چنانچہ سیّدنا یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا ، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْأَسْبَاطِ .))❶

''سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرے جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے حسین رضی اللہ عنہ میری نسل کی ایک عظیم الشان لڑی ہیں۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِيْ .))❷

''جو شخص حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرے گا، پس تحقیق اُس نے مجھ سے محبت کی اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔''

---

❶ سنن ابن ماجه، باب فضائل الحسن والحسين رضى الله عنهما، رقم: ١٤٤، اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''حسن'' کہا ہے۔

❷ سنن ابن ماجه، باب فضائل الحسن والحسين رضى الله عنهما، رقم: ١٤٣، اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''حسن'' کہا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں بھی سیدین کریمین کی محبت وعظت اور مقام ومنقبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ دونوں شہزادوں سے محبت کرے۔ ان کے لیے عقیدت ومحبت کے جذبات اپنے اندر پیدا کرے ہر قسم کے بغض ونفرت سے اپنے آئینہ دل صاف کرے۔ کیونکہ یہ کامیابی وکامرانی کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اہل بیت کی محبت پیدا فرمائیں۔ جو کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نفرت وعداوت سے پاک ہو۔ اس لیے کہ ایک گروہ نے اس بات کو فرض کر لیا ہے اہل بیت سے محبت کا تقاضہ ہے کہ بنوامیہ سے نفرت کا اظہار کیا جائے، حالانکہ یہ نظریہ قطعاً غلط اور بربادی کا سبب ہے، کہ جس سے توبہ کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ بنوامیہ بھی صحابہ ہیں۔ قریشی ہیں۔ ان کی بھی دین کے لیے خدمات ہیں، قربانیاں ہیں، احسان کا تقاضہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے لیکن اہل بیت ان سے بدرجہا افضل ہیں، جس کا اہل سنت والجماعت اقرار کرتی ہے۔

اہل سنت والجماعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کرتے ہیں ان کے ساتھ رشتہ موالات رکھتے ہیں اور اہل بیت کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کا احترام کرتے ہیں، جس میں آپ نے غدیر قم کے مشہور واقعہ میں فرمایا۔

"میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ پاک کو یاد دلاتا ہوں یعنی نصیحت کرتا ہوں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ اس وقت تک ایمان دار کہلانے کے حق دار نہیں ہیں جب تک کہ وہ تم سے رضائے الٰہی حاصل کرتے ہوئے اور میری قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے محبت نہ کریں۔ نیز آپ نے فرمایا بے شک اللہ نے تمام مخلوق میں سے بنو اسماعیل کا انتخاب کیا، پھر بنو اسماعیل میں سے کنانہ قبیلے کا اور کنانہ سے قریش کا اور قریش سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا۔



باب نمبر:۱۲

امہات المؤمنین

اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین خدیجہ بنت خویلد بن اسد القرشیۃ امہات المومنین میں سے ایک ہیں۔ سب سے پہلے ان کا نکاح ابوہالہ بن زرارۃ سے ہوا تھا، پھر اس کے بعد عتیق بن عائز سے شادی کی۔ پھر اس کے بعد چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے اور ان کی زندگی میں کسی بھی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی تھی، سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کہ یہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والی خاتون ہیں، اسلام کے لیے آپ نے بڑی قربانیاں دی ہیں، بڑی مالدار خاتون تھیں، آپ نے اپنے مال کی تجوریاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھول دیں اور مشکل ترین حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف ساتھ دیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر و بیشتر یاد رکھا کرتے تھے۔ ان کی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کا بھی خیال کیا کرتے تھے۔ کہ یہ میری بیوی کی سہلیاں ہیں چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((مَاغِرْتُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ نِّسَاءِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَاغِرْتُ عَلٰی خَدِیْجَةَ رضی اللہ عنہا وَمَا رَاَیْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ یُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ

الشَّـاةَ ثُـمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُـلْـتُ لَـه كَانَّه لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ فَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ .)) ❶

''مجھے نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ رشک نہیں آیا۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہیں تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اکثر ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، بعض دفعہ آپ ﷺ بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بنا کر سیّدہ کی سہیلیوں کو ہدیہ بھیجتے، بعض دفعہ میں آپ سے عرض کرتی، گویا دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی عورت ہی نہیں۔ اس پر آپ ﷺ فرماتے: وہ ایسی تھیں اور ایسی تھیں (یعنی ان کے اوصاف اور وفاؤں کا تذکرہ فرماتے) اور فرماتے کہ میری اس سے اولاد ہے۔''

ایک دفعہ جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ ﷺ تو بس خدیجہ خدیجہ کرتے رہتے ہیں؟ خدیجہ میں ایسی کون سی بات تھی کہ جو ہم میں نہیں ہے؟

آپ ﷺ نے بڑی ٹھنڈی سانس لے کر کہا تمہیں کیا معلوم خدیجہ کیا تھی؟ جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے، خدیجہ رضی اللہ عنہا میری تصدیق کر رہی تھی، جب لوگ مجھے لہولہان کر دیا کرتے تھے، خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے دوپٹے سے میرا خون صاف کرتی تھی، جب میں دین کی تبلیغ کی سختیوں سے پریشان ہو جاتا، خدیجہ میری ہمت افزائی کرتی تھی۔ تمہیں کیا پتہ سیّدہ کیا تھی۔ سیّدہ کی انہی قربانیوں کی وجہ سے سیّدہ کو بہترین عورتوں میں سے ایک قرار دیا گیا۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((خَيْرُ نِسَـائِهَـا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۸۱۸، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۷۷.

خُوَيْلِدٍ .)) ❶

''سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام اپنے زمانے کی سب عورتوں سے بہتر تھیں اور سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اپنے دور کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں۔''

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کتنی افضل ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور سیّدنا جبرائیل علیہ السلام سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَتـى جِبْرِئِيْلُ النَّبِیَّ ﷺ فَـقَـالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ خَدِيْجَةُ قَدْ اَتَتْ مَعَهَا اِنَاءٌ فِيْهِ اِدَامٌ اَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ فَإِذَا اَتَتْكَ فَأَقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِـنْ رَّبِّهَـا وَمِـنِّيْ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا مَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ .)) ❷

''ایک دفعہ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تشریف لا رہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے، جس میں سالن یا کھانا یا پینے کی کوئی چیز ہے، جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو انہیں ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہیے اور انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دیجیے، جس میں کوئی شور شرابہ ہوگا اور نہ وہاں مشقت اٹھانی پڑے گی۔''

نیز سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ،

((جَـاءَ جِبْـرِيْلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعِـنْـدَهٗ خَـدِيْجَةُ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يُـقْـرِئُ خَـدِيْـجَةَ السَّلَامَ " فَـقَـالَتْ: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلَى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ .)) ❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۸۱۵، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۷۱.

❷ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۸۲۰، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۲۷۳.

❸ مستدرك حاکم: ۱۸۶/۳، رقم: ۴۹۰۸، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔

”نبی کریم ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے تو عرض کی کہ اللہ تعالیٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے ہیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا اللہ سراپا سلامتی ہے، جبرائیل پر سلامتی ہو اور آپ پر سلامتی ہو اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔“

غور فرمائیں کہ جس کو اللہ اور جبرائیل علیہ السلام سلام پیش کریں، اس کا مقام کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہمیں دیتی ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْاَرْضِ أَرْبَعَةَ خُطُوْطٍ فَقَالَ "أَتَدْرُوْنَ مَاهٰذَا؟" فَقَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَقَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَفْضَلُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ خُدَيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلَدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ اِمْرَاءَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ.)) [1]

”رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ سب نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خواتین اہل جنت میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، فرعون کی بیوی آسیہ بن مزاحم اور مریم بن عمران ہیں۔“

غور فرمایئے! کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جنت کی افضل ترین عورتوں میں سے ایک ہیں جو یقیناً ان کی قربانیوں کا ان کو صلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سیّدہ کے درجات کو اور بلند کرے۔ سیّدہ مکہ میں ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوئیں۔ اس وقت سیّدہ کی عمر ۶۵ سال تھی، آپ ﷺ کے ساتھ ۲۵ سال گزارے، سیّدہ کو حجون کے مقام پر دفن کیا گیا۔

---

[1] صحیح الجامع الصغیر، رقم: ۱۱۳۵.

اُمّ المؤمنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المومنین میں سے ایک ہیں، جن کا پہلا نکاح سیّدنا سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا اور شادی بھی انہی سے ہوئی، پھر اُن کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ نکاح وتزوتج پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرلی۔

سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا قریش کی معزز خواتین میں شمار ہوتا تھا، سیّدہ کے بہت سے فضائل ومناقب ہیں کہ جن میں سے بعض کا تعلق صدرِ نشین بزمِ کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، بعض کا فیضان اُن کے بلند اخلاق سے ہوتا ہے اور بعض کے فضائل و مناقب ایسے ہیں کہ جو اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں میسر آئے۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے دیگر فضائل میں سے ایک فضیلت وخصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں مزدلفہ کی رات لوگوں کے رش پڑ جانے سے پہلے ہی اجازت مرحمت فرما دی تھی، چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((نَزَلْنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ ﷺ سَوْدَةُ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ، وَكَانَتِ امْرَأَةً بَطِيئَةً فَأَذِنَ لَهَا فَدَفَعَتْ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ، وَأَقَمْنَا حَتَّى أَصْبَحْنَا نَحْنُ ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِهِ، فَلَأَنْ أَكُونَ اسْتَأْذَنْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَمَا اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَفْرُوحٍ بِهِ.)) [1]

''ہم نے مزدلفہ میں پڑاؤ ڈالا تو سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ لوگوں کے اژدھام سے قبل ہی منیٰ کو روانہ ہوجائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی اور وہ لوگوں کے اژدھام سے قبل ہی منیٰ کو روانہ ہوگئیں اور ہم لوگ وہیں ٹھہرے رہے اور صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کی طرف گئے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الحج، رقم: ۱۶۸۱.

اگر میں بھی سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی ہوتی تو مجھے مفروج چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا پر بڑا رشک آتا تھا اور اُنہیں یہ بات پسند تھی کہ وہ خود وہ خاتون ہوتیں کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تھی۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ جن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اُن میں وہ بھی شامل تھی۔

نیز سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں اور میدانِ جہاد میں اپنی طرف سے وافر حصہ ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے مال غنیمت میں سے سیّدہ کو اَسی (۸۰) وسق کھجوریں اور بیس (۲۰) وسق جو عطا کئے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا خلافت راشدہ تک حیات رہیں، آپ رضی اللہ عنہا نے زندگی کی آخری بہاروں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و اتباع کو حرز جاں بنائے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتی رہیں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا اَسی (۸۰) سال کی طویل عمر پا کر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں اس دار فانی سے رخصت فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت اُبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ والدہ کا نام ام رومان بنت عامر بن عویمر ہے۔ انتہائی فضیلت والی صحابیات میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دس سن نبوت کو شادی کی، یعنی ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں اور رخصتی ہجرت کے دوسرے سال شوال میں ہوئی۔ یہ انتخاب اللہ مہربان نے خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُرِیْتُكِ فِی الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَیَالٍ یَجِیْئُ بِكِ الْمَلَكُ فِیْ سَرَقَۃٍ مِّنْ حَرِیْرٍ فَقَالَ لِیْ ھٰذِہٖ أَمْرَاَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْھِكَ الثَّوْبَ فَإِذَا اَنْتِ ھِیَ فَقُلْتُ اِنْ یَّكُنْ ھٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰہِ یُمْضِہٖ .)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ تین راتیں تم مجھے خواب میں دکھائی گئی، فرشتہ ریشم کے ٹکڑے میں لپیٹ کر تیری تصویر لاتا رہا اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی بیوی ہے۔ پھر جب میں نے تیرے چہرے سے نقاب اٹھایا تو وہ تم تھیں پس میں نے سوچا اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے مجھے ملا دے گا۔''

یہ فضل بھی صرف سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ بڑی زاہدہ وعابدہ تھیں اور آپ کی بہت زیادہ فضیلت احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کو اس زوجہ محترمہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

عائشہ سے، سائل نے پوچھا مردوں میں فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔ ❷

''لوگ عائشہ کی باری کے دن ہدیے وغیرہ بھیجنے کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی خوشی چاہتے تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں دو حصوں میں تھیں۔ ایک طرف عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں اور دوسری جانب سیّدہ اُمّ سلمہ اور باقی ازواج رضی اللہ عنہن تھیں۔ سیّدہ اُمّ سلمہ کی ہم خیال ازواج نے ان سے کہا، کہ تم رسول کریم ﷺ کی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: ۳۸۹۵، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، رقم: ۶۲۸۳.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ، رقم: ۳۶۶۲، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، رقم: ۶۱۷۷.

خدمت میں عرض کرو کہ جو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہیں، ان کو ہدایت فرمائیں کہ آپ ﷺ جہاں بھی ہوں، وہ آپ کی جانب ہدیہ بھیج دیا کریں۔ چنانچہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے گفتگو فرمائی تو آپ ﷺ نے اسے جواب دیا، مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف مت پہنچاؤ! عائشہ کے علاوہ اور کسی کی بیوی کے بستر پر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ اس نے کہا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو ایذا رسانی پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگتی ہوں۔ پھر انہوں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا: بیٹا! کیا تمہیں اس سے محبت نہیں جس سے میں محبت کرتا ہوں، انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کیا کرو۔''

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ اپنی اس بیماری کے دوران سوال کرتے تھے، جس میں آپ نے وفات پائی کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کا ارادہ رکھتے تھے تو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ کو اجازت دے دی کہ جہاں آپ کی مرضی وہاں پہنچا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ عائشہ کے گھر تھے اور آپ نے اسی کے پاس وفات پائی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی دن وفات پائی جو میری باری کا دن تھا، آپ ﷺ میرے گھر میں تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح جس وقت قبض کی آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا اور آخری لمحات میں آپ کا لعاب دہن میرے لعاب سے مل گیا۔ [1]

غور فرمایئے! کہ رسول اللہ ﷺ کو سیّدہ عائشہ سے کتنی محبت تھی، اپنی بیماری کے دنوں میں بار بار پوچھتے ہیں کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ مطلب یہ تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: ٤٤٥٠.

باری کب آئے گی، غور فرمایئے، کس قدر محبت آپ ﷺ کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ بے چین ہو جاتے ہیں کہ بس کسی طرح سیّدہ کے پاس پہنچ جاؤں، آپ ﷺ جس سے محبت کرتے ہوں اس کا کیا مقام ہوگا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ .)) ❶

''انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

آپ ﷺ کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی، اسی وجہ سے اس سے پہلے والی حدیث میں فرمایا کہ جب دوسری بیویوں نے آپ ﷺ کو شکایت کے طور پر کہا کہ لوگوں سے کہیے کہ آپ ﷺ جہاں بھی ہوں تحفے بھیج دیا کریں، خاص سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دنوں میں ہی تحفے آپ ﷺ کے پاس کیوں بھیجتے ہیں، ہماری باری میں بھی تحفے بھیجا کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُؤْذِینِی فِی عَائِشَةَ .))

مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو۔ مجھ پر وحی صرف اور صرف اسی کے بستر پر آتی ہے، تم میں سے کسی کے بستر پر نہیں آتی۔ یعنی سیّدہ سب سے افضل بھی ہیں اور مجھے محبوب ترین بھی، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○﴾

(الاحزاب: ۲۸، ۲۹)

''اے نبی ﷺ آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦١٦٨.

چاہتی ہو تو تم آجاؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کے اچھے طریقہ سے چھوڑ دیتا ہوں، لیکن اگر تم اللہ، رسول ﷺ اور آخرت کا ارادہ رکھتی ہو تو تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر رکھا ہے۔''

تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے یہ آیات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا کر اختیار دیا، تاہم انہیں یہ بھی کہا کہ جلد بازی میں فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے والدین سے مشورہ ضرور کر لینا، سیّدہ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں مشورہ کروں؟ میں نے تو اللہ اور رسول کو پسند کیا ہے، یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی۔ [1]

غور فرمایئے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تلقین کی کہ جلد بازی میں فیصلہ نہ کرنا، مطلب یہ کہ کہیں تم مجھ سے دور نہ ہو جانا، رب تعالیٰ نے اسی محبت کی قدر کرتے ہوئے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیوی بنا دیا ہے۔

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اَمَا تَرْضِیْنَ اَنْ تَكُوْنِیْ زَوْجَتِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ قُلْتُ بَلٰی وَاللّٰهِ قَالَ: فَانْتِ زَوْجَتِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ)) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "عَائِشَةُ زَوْجَتِیْ فِی الْجَنَّةِ" [2]))

''کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو میری دنیا اور آخرت میں بیوی ہو میں نے کہا اللہ کی قسم کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو میری دنیا اور آخرت میں بیوی ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ جنت میں میری بیوی ہے۔''

غور فرمایئے! کہ کیا فضیلت ہے، اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کہ وہ آخرت میں رسول

---

[1] صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب.

[2] صحیح الجامع الصغیر : ٣٩٦٥.

اللہ ﷺ کی جنتی بیوی ہیں، ان بدبختوں کو اپنا عقیدہ درست اور نظریہ ٹھیک کرنا چاہیے کہ جو صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے بارے میں غلط سوچ اور فکر رکھتے ہیں، حالانکہ یہ تو وہ سیّدہ ہیں کہ جنہیں انسان تو انسان اللہ کے فرشتے بھی انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ سیّدنا ابوسلمہ، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاعَائِشَةُ رضی اللہ عنہا هٰذَا جِبْرِئِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَهُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰى .)) ❶

''یا عائشہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں، وہ تمہیں سلام پیش کر رہے ہیں، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ''جبرائیل پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو'' انہوں نے بتایا کہ آپ جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ میں تو نہیں دیکھ سکتی۔''

غور فرمایئے! کہ فرشتوں کا سردار سیّدنا جبرائیل علیہ السلام جس بیوی کو سلام کہے وہ کتنی عظیم ہوگی، کیونکہ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام بغیر اللہ کے حکم کے کسی سے کوئی بات نہیں کہتے تو گویا یہ سلام اللہ نے کروایا۔ کیونکہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق اللہ کے ساتھ بڑا ہی مضبوط تھا۔ اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا، اور اللہ کا ذکر کرنا اور اللہ کے خوف کی وجہ سے رونا یہ سیّدہ کے نمایاں اوصاف میں سے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی (سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں:

((كُنْتُ اِذَا غَدَوْتُ اَبْدَأُ بِبَيْتِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَغَدَوْتُ يَوْمًا فَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تَقْرَءُ ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (٢٧:٥٢) وَتَدْعُوْ وَتَبْكِيْ وَتُرَدِّدُهَا فَقُمْتُ حَتّٰى مَلَلْتُ الْقِيَامَ فَذَهَبْتُ اِلَى السُّوْقِ لِحَاجَتِيْ ثُمَّ رَجَعْتُ فَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ كَمَا هِيَ تُصَلِّيْ وَتَبْكِيْ .)) ❷

---

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ٣٧٦٨، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣٠١.

❷ صفة الصفوة، ٢/٤٠٤.

''زبیر (رضی اللہ عنہ) جب صبح گھر سے نکلتا تو پہلے (اپنی خالہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سلام عرض کرتا، ایک روز میں گھر سے نکلا (اور حسب معمول سلام کرنے حاضر ہوا) تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (نماز میں) کھڑی تھیں اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرما رہی تھیں: ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (طور: ۲۷)

''اللہ نے ہم پر احسان کیا اور گرم زہریلی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ آیت بار بار پڑھے جا رہی تھیں اور روئے جا رہی تھیں۔ میں (انتظار کے لیے) کھڑا ہو گیا، حتیٰ کہ میرا جی بھر گیا اور میں کسی کام سے بازار چلا گیا واپس پلٹا تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی تک نماز میں کھڑی تھیں اور (وہی آیت پڑھ پڑھ کر) روئے جا رہی تھیں۔''

اس سے اللہ کے خوف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عروہ جو کسی کام سے آتے تھے، انتظار کے بعد چلے گئے لیکن جب دوبارہ واپس آئے تو معلوم ہوا کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا اسی طرح نماز میں مشغول ہیں اور اسی آیت کی تلاوت کر کے روئے جا رہی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیّدہ رضی اللہ عنہا کو ایسا ضمیر دے رکھا تھا کہ جس میں اللہ کا خوف اور ڈر تھا۔ اللہ کا ڈر اور خوف علم کی وجہ سے پیدا ہوا کرتا ہے، چنانچہ سیّدہ علم میں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ سیّدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((مَا اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَنَا مِنْهُ عِلْمًا .)) [1]

''جب ہم اصحاب رسول ﷺ پر کسی حدیث میں کبھی کوئی اشکال پیش آیا تو ہم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو ہم نے اس کے ہاں اس حدیث کے بارے میں معلومات پائیں۔''

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۸۸۳، اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ سیّدہ رضی اللہ عنہا عرب جنگوں کے حالات اور عرب کے اشعار سے بھی خوب واقفیت رکھتیں تھیں اور ان کو خوب عبور حاصل تھا اور انتہائی بلیغ و فصیح عربی میں گفتگو کیا کرتی تھیں۔ سیّدنا موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَفْصَحُ مِنْ عَائِشَةَ .)) ❶

''میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔''

سیّدہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنتی بیوی ۵۷ھ کو مدینہ میں فوت ہوئیں، ان کو ان کی وصیت کے مطابق رات کو دفن کیا گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں، اور ایک جلیل القدر صحابی خلیفہ ثانی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے سیّدنا خنیس رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں، اُن کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف پیغام نسبت بھیج کر اُن سے شادی کر لی۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علم و عرفان کی محبت اور اُن کے حصول کے لیے سرشار ہیں۔ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام جو بھی وحی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول فرماتے، وہ اُسے زبانی حفظ کر لیتیں، اور قرآن مقدس کے معانی پر غور و فکر کیا کرتی تھیں، نیز دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو قیام کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عبادت گزار خواتین کی صف میں انتہائی بلند مقام پر فائز فرمایا۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا حَفْصَةُ ، أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ آنِفًا فَقَالَ: فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ وَهِيَ زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ .)) ❷

---

❶ سنن ترمذی، كتاب المناقب، قم: ۳۸۸٤، اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ طبرانی اوسط، رقم: ۱۰۱، مجمع الزوائد ۲٤٤/۹.

''اے حفصہ! ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے ہاں آئے تھے اور مجھے کہا: بلاشبہ، وہ (حفصہ) روزے رکھنے والی، قیام کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی اہلیہ ہیں۔''

قارئین محترم! اس حدیث مبارکہ سے سیّدہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و منزلت پوری طرح واضح ہو رہی ہے کہ دنیا میں تو آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا ہے، آخرت میں بھی اسی شرف عظیم سے آپ رضی اللہ عنہا نوازی جائیں گی۔

سیّدہ رضی اللہ عنہا شعبان ۴۵ھ میں ساٹھ سال کی عمر پا کر اس دار فانی سے رخصت ہوئیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المومنین میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے سیّدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں، اُن کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف پیغام نسبت بھیج کر آپ سے شادی کر لی۔ آپ کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے: نہر بنت ابی امیہ بن مغیرۃ بن عبداللہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا، اور آپ کی کنیت اُمّ سلمہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا عرب کے ایک معزز قبیلہ ''بنومخزوم'' سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کو اپنے خاندان میں انتہائی اہمیت حاصل تھی، نیز آپ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ، فاضلہ، پاکیزہ اور حسن و جمال کی پیکر خاتون تھیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اُن مہاجرین خواتین میں تھیں کہ جنہوں نے اوّل مرحلے میں ہجرت فرمائی۔ نیز سیّدہ ان عورتوں میں تھیں کہ جو سب سے زیادہ حسین وجمیل اور نسب کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر معزز تھیں۔'' [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد اُنہیں وہ عالیشان مقام حاصل ہوا کہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ۲/۲۰۲.

جو کسی خوش نصیب ہی کے حصے میں آسکتا ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوعثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ جِبْرِيلَ عليه السلام أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ، فَجَعَلَ يُحَدِّثُ ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُمِّ سَلَمَةَ: ((مَنْ هٰذَا)) أَوْ كَمَا قَالَ۔ قَالَ: قَالَتْ: هٰذَا دِحْيَةُ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: إِيْمُ اللّٰهِ، مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ، حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ يُخْبِرُ عَنْ جِبْرِيلَ .)) ❶

''جبرائیل علیہ السلام ایک بار نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں، پس وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرتے رہے پھر چلے گئے۔ نبی ﷺ نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: یہ کون تھے؟ انہوں نے عرض کیا، دحیہ رضی اللہ عنہ تھے، اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، اللہ کی قسم! میں نے انہیں دحیہ قلبی ہی سمجھا تھا۔ لیکن میں نے سنا کہ نبی ﷺ نے دوران خطبہ بتایا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔''

اس روایت سے سیّدم اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت واضح ہورہی ہے کہ اولاً تو سیّدنا جبرائیل علیہ السلام کا اُن کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لانا اور دوسرا یہ کہ سیّدہ کا جبرائیل علیہ السلام کی گفتگو سننا، یہ دونوں باتیں اُن کی فضیلت واضح کرتی ہیں۔ نیز ایک اور روایت سے بھی سیّدہ کی فضیلت واضح ہوتی ہے، چنانچہ سیّدہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا وَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي .)) ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، رقم: ٣٦٣٣.

❷ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، رقم: ٣٦٢١.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے نکاح کرنے کے بعد اُن کے پاس تین روز رُکے پھر فرمایا: تمہاری چاہت اور اہمیت اپنے خاوند کی نظروں میں ہرگز کم نہیں ہوئی، اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ ایک ایک ہفتہ قیام کرلوں اور اگر میں تمہارے ساتھ ایک ہفتہ رہا تو میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ ایک ایک ہفتہ رہوں گا۔''

اس حدیث سے بھی سیّدہ کی فضیلت و مرتبت واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سیّدہ کی کس قدر فضیلت و مرتبت تھی۔

سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے۔ ان کی زندگی پر علم وعرفان اور حدیث کا غلبہ رہا۔

سیّدہ رضی اللہ عنہا ۶۱ھ میں چوراسی (۸۴) سال کی عمر پاکر اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے: زینب بنت جحش بن رياب الاسدیہ، اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے، زینب بنت امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ''ام حکم'' تھی۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سرداری کے باعزت ماحول میں پرورش پائی، اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال درجے کا حسن و جمال نوازا تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ بھی تھیں، خواتین قریش میں اُنہیں اعلیٰ مقام حاصل تھا، نیز مکہ معظّمہ میں ان کا معزز خواتین میں شمار ہوتا تھا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا پہلے سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں، جب سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیّدہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی، اور اُن کی عدت گزر گئی، تو اِن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نکاح لازم کردیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾ (الاحزاب: ۳۷)

''پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کردی، تا کہ مومنوں کے لیے اُن کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے ضرورت پوری کرلیں۔''

یہ آیت مبارکہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی واضح ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات پر اپنے نکاح پر فخر کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((كَانَتْ زَيْنَبُ تَفْخَرُ عَلَى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ تَقُوْلُ: "زَوَّجَكُنَّ اَهٰلِيْكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ".)) [1]

''سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج سے فخر یہ فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔''

اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِيْ، أَطْوَلُكُنَّ يَدًا، قَالَتْ: فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا. قَالَتْ: فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ، لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ.)) [2]

''(میری وفات کے بعد) مجھے تم سب سے زیادہ وہ بیوی ملے گی، جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہوں گے، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم سب اپنے

---

[1] صحيح بخاري، كتاب التوحيد، رقم: ٧٤٢٠.

[2] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٦٣١٦.

اپنے ہاتھ ناپنے لگیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں لیکن سب سے زیادہ لمبے ہاتھ زینب رضی اللہ عنہا کے تھے، کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کیا کرتی تھیں اور زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں۔''

اس روایت سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور جو مقام ومرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں تھا، وہ ظاہر ہے۔ نیز اُن کی مزید فضیلت درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ أَوَّاهَةٌ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْأَوَّاهَةُ؟ قَالَ: اَلْخَاشِعَةُ.)) [1]

''بلاشبہ زینب بنت جحش ''اواہہ'' ہے، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اواہہ کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت زیادہ خشوع وخضوع کرنے والی۔''

سیّدہ رضی اللہ عنہا ۲۰ ھ کو ترپن (۵۳) سال کی عمر پاکر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اُمّ المؤمنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے مسافع بن صفوان کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اس کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کر لی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پورا نام اس طرح ہے۔ جویریہ بنت حارث بن ابی ضرارہ مصطلقیہ۔

آپ سردارِ خواتین میں سے ایک عالمہ، فاضلہ اور سیّدہ خاتون تھیں۔ جو اپنی قوم وقبیلہ کے لیے باعث برکت تھیں۔ نیز آپ رضی اللہ عنہا دانشور، انتہائی عقلمند، مطیع، ذکر الٰہی کی خوگر، شکر گزار، تقویٰ شعار، اور انتہائی صاف وشفاف ذہن وقلب سے آراستہ ایک جلیل القدر خاتون

---

[1] حلية الاولياء ٢/٥٤، الاستيعاب، رقم: ٣٣٥٥، سير أعلام النبلاء، ٢/٢١٧.

تھیں۔ مزید برآں سیّدہ رضی اللہ عنہا حدیث نبوی کی صاحب علم راویہ تھیں، ان سے مروی احادیث کو حدیث کی مشہور چھ کتب میں نقل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیّدہ کی فضیلت و مرتبت اور زہد و ورع درج ذیل حدیث سے واضح ہے، خود سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ، خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ ، وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ، ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ ، فَقَالَ: "مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟" قَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ .)) [1]

''نبی ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد علی الصبح ہی ان کے پاس تشریف لے آئے اور وہ اس وقت اپنی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں، پھر آپ ﷺ دن چڑھے تشریف لے آئے اور وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس وقت سے میں تمہیں چھوڑ کر گیا ہوں، (تب سے) تم اسی طرح بیٹھی ہو؟ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: جی ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارے بعد ایسے چار کلمات تین بار کہے ہیں کہ جو کچھ تم نے صبح سے اب تک پڑھا ہے اگر اس کا ان کلمات سے وزن کرو تو ان کلمات کا وزن زیادہ ہوگا وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ ۔''

حمد اور تسبیح اللہ کی ہے، اس کی مخلوق کے عدد اور اس کی رضا اور اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعآء، رقم: ٦٩١٣.

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں کتنا مقام ومرتبہ تھا اس کا انداز درج ذیل حدیث سے لگایئے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ رضی اللہ عنہا إِسْمُهَا بَرَّةُ، فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُقَالَ: خَرَجَ مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ.)) [1]

"جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند فرماتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بر (نیکی) کے پاس سے نکل گیا۔"

اس روایت سے سیّدہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ومرتبت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا کے شب وروز نیکی اور اتباع قرآن وسنت میں گزرتے تھے۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا ۵۰ ھ میں ستر (۷۰) سال کی عمر پاکر اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ آپ کی نماز جنازہ سیّدنا مروان بن حکم نے پڑھائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اُمّ المؤمنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں۔ دراصل سیّدہ رضی اللہ عنہا اسیران خیبر میں سے تھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کردیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو واپس اپنے اعزہ واقرباء کے ساتھ خیبر میں رہ سکتی ہیں اور اگر اسلام قبول کرنا چاہتیں ہیں تو یہ آپ کی طرف سے حق کی گواہی وشہادت ہوگی۔ یہ اختیار ملنے پر سیّدہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت متاثر ہوئیں، بعد ازاں سیّدہ کے اظہار قربِ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کرلی۔

سیّدہ کا پورا نام یہ ہے، صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا سیّدہ رضی اللہ عنہا انتہائی معزز اور اعلیٰ شرف والے خاندان کی خاتون تھیں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے تقریباً ایک سو انبیاء علیہم السلام اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الادب، رقم: ۵۶۰۶، مسند احمد ۳۱۶/۱، رقم: ۲۹۰۲.

ایک سو سلاطین ہوئے۔

سیّدہ رضی اللہ عنہا انتہائی عقلمند، تقویٰ شعار، پیکر اخلاق، عظیم المرتبت، حلیم الطبع، باوقار، جلیل القدر، عبادت گزار اور زہد وورع سے آراستہ خاتون تھیں اور وہ یہ خوش نصیب خواتین میں سے ایک تھیں کہ جنہیں حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بنابریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اُن کا بہت بڑا مقام تھا۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم پڑا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ وہ آبدیدہ ہوگئیں اتنے میں ان کے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، وہ رو رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ آپ نے عرض کیا: حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نبی (ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہو، تمہارے چچا (موسیٰ علیہ السلام) نبی ہیں اور تم نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی ہو، بس وہ کس بات میں تم پر فخر کرتی ہیں۔'' [1]

اور سیّدہ رضی اللہ عنہا کی صداقت کے بھی کیا ہی کہنے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صداقت اور صدق گوئی پر قسم کھائیں۔ چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

((وَاللّٰهِ إِنَّهَا لَصَادِقَةٌ)) [2]

''اللہ کی قسم! وہ صدق وصفا کی خوگر ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کی شہادت معتبر ہوسکتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر صدق وصفا کا خوگر بھلا اور کون ہوسکتا ہے بھلا؟ سیّدہ رضی اللہ عنہا ۵۰ھ میں اس دنیا سے رخصت فرماگئیں۔ انہیں جنت البقیع میں امہات المومنین کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: ۳۸۹۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء، ۲/ ۲۳۵۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المؤمنین میں سے ایک ہیں، آپ رضی اللہ عنہا بنوامیہ کے سردار اور مکہ کے قائد ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا انتہائی عقلمند، ذکرِ الٰہی کی خوگر، عبادت گزار اور قوی ارادے اور اللہ تعالیٰ پر ٹھوس یقین رکھنے والی ایک مؤمن خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے عبد اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ اس کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی کی وساطت سے انہیں پیغام نسبت بھیجا اور بعد ازاں اُن سے شادی کر لی۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے عمدہ مہر اور قابل رشک شادی سے متعلق رقمطراز ہیں:

''اُمّ حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد میں سے تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں نسبت کے اعتبار سے اُن سے زیادہ کوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ تھیں اور نہ اُن سے زیادہ کسی کا حق مہر باندھا گیا، اور نہ ہی اُن کی طرح گھر سے دور کسی کی شادی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اُن سے حبشہ میں ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حبشہ کے بادشاہ نے چار سو دینار مہر دیا اور کچھ مزید چیزیں بھی جہیز میں دیں۔'' [1]

اس سے سیّدہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و مرتبت ثابت ہوتی ہے اور سیّدہ اُمّ حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں کہ جنہیں دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری مل گئی تھی۔

چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُن کی ہمشیرہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں۔ یہ دیکھ کر پیچھے مڑ گئے، آپ نے فرمایا: معاویہ واپس آ جاؤ تو وہ واپس آ کر بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۲/۲۱۸.

((وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا وَأَنْتَ وَهٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ تُدِيْرُ الْكَاسَ بَيْنَنَا .)) ❶

''اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ میں، تم اور اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جنت میں اسی طرح رہیں اور جام ہمارے درمیان گردش کرے۔''

ایک روایت ہے کہ جس سے سیّدہ اُمّ حبیبہ اور دیگر ازواج مطہرات کی عظمت وشان اجاگر ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ اَبَى لِيْ اَنْ اُزَوِّجَ إِلَّا أَهْلَ الْجَنَّةَ .)) ❷

''اللہ تعالیٰ نے مجھے جنتی عورتوں سے شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔''

سیّدہ ۴۴ھ کو مدینہ منورہ میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اُمّ المؤمنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المؤمنین میں سے ایک ہیں، آپ رضی اللہ عنہا پہلے ابودرہم العاصری قریشی کے عقد میں تھیں، اُس کی وفات کے بعد ۷ھ ذی القعدہ میں عمرۂ قضا کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا وہ آخری خاتون ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔

سیّدہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا نہایت تقویٰ شعار، عبادت گزار، ذکر الٰہی کی خوگر اور نہایت پکی مومنہ تھیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ رضی اللہ عنہا اور اُن کی اخوات، (بہنوں) کے ایمان کی گواہی وشہادت دی، چنانچہ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

❶ تاریخ دمشق، ص: ۹۰.

❷ تاریخ دمشق، ص: ۸۹.

((اَلْاَخَوَاتُ مُؤْمِنَاتٌ الخ .)) [1]

''یہ بہنیں ایمان والی ہیں۔''

اس سے بڑھ کر کس کی عظمت، رفعت اور شان وشوکت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کسی کے ایمان کی گواہی دیں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا نے ۵۱ ھ کو مکہ کے قریب مقام ''سرف'' پر اس دار فانی سے رحلت فرمائی، آپ کی نماز جنازہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ



[1] مستدرك حاكم: ٤/٣٥، رقم: ٦٨٠١، طبقات ابن سعد ٨/٢٠٣، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب نمبر:۱۳

بنات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بڑی بیٹی اور منزہ ومطہر خانہ نبوی کے نفیس و نازک ہار کا پہلا موتی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا انتہائی نیک، صالحہ، تقویٰ شعار، مؤمنہ اور بڑی تربیت یافتہ بیٹی تھیں۔ کیوں نہ ہوتیں، کیونکہ انہوں نے دنیا بھر میں سب سے معزز، مکرم اور انتہائی باشرف والدین یعنی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نبی محترم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ زندگی بسر کی۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی سیّدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی، جو کہ مکہ کے ایک مشہور تاجر اور امانت دار شخص تھے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ محبت سے دیکھا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدہ سے بے پناہ محبت تھی اور آپ کو قطعاً یہ ناپسند تھا کہ کوئی سیّدہ کو تکلیف و اذیت پہنچائے، لہٰذا جن لوگوں نے سیّدہ رضی اللہ عنہا پر قاتلانہ وار کیا۔ ذرا اُن سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منتخب سزا بھی سن لیجیے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر (کی صورت) میں بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ:

((إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ سَمَّاهُمَا فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ قَالَ: ثُمَّ أَتَيْنَاهُ نُوَدِّعُهُ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ، فَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحَرِّقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنْ أَخَذْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا.)) [1]

---

[1] صحيح بخاری، کتاب الجهاد والسير، رقم: ۲۹۵۴.

"اگر فلاں فلاں دو قریشی (ہبار بن اسود اور نافع بن عمر) جن کا آپ ﷺ نے نام لیا تم کو مل جائیں تو انہیں نذر آتش کر دینا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم رخصت ہونے کی اجازت لیے حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو پہلے ہدایت کی تھی کہ فلاں فلاں قریشی اگر تمہیں مل جائیں تو انہیں نذر آتش کر دینا، لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) آگ کی سزا دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے سزاوار نہیں ہے۔ اس لیے اگر وہ آپ لوگوں کو مل جائیں تو قتل کر دینا۔"

قارئین کرام! یہ دونوں وہی شخص تھے کہ جنہوں نے سیّدہ رضی اللہ عنہا پر قاتلانہ وار کر کے انہیں زخمی کر دیا تھا۔ جب وہ اپنے گھر سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں تھیں اور اس زخم کا اثر سیّدہ رضی اللہ عنہا پر آخری لمحاتِ حیات تک رہا۔ علاوہ ازیں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی محبت رسول اللہ ﷺ کے دل میں کتنی تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے لگایئے۔ سیّدہ اُمّ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر جب ہم اُن کے غسل سے فارغ ہوگئیں تو آپ ﷺ نے ہمیں اپنا ازار دیا اور فرمایا:

((أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ.)) [1]

"اسے زینب رضی اللہ عنہا کی قمیص بنا دو۔"

غور فرمایئے! کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری صاحبزادی کو اپنا ازار بطور تبرک عنایت فرمایا، تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے بدن سے ملا رہے۔ آخر کار سیّدہ رضی اللہ عنہا ۹ھ کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئیں، آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دوسری بیٹی اور منزہ و مطہر خانۂ نبوی کے نفیس و نازک ہار کا

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم: ۱۲۵۳.

دوسرا موتی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

بلاشبہ عنایاتِ الٰہیہ خانۂ نبوی پر سایہ فگن تھیں اور انعامات الٰہیہ کے جھونکے خانۂ نبوی میں رہنے والوں پر رحمت و برکات کی برکھا برسا رہے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آلائش سے پاک وصاف کردے، اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خیر و بھلائی کا سلوک کرتا ہے اور شر و برائی کو ان کے قریب تک بھٹکنے نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گوشہ جگر نور چشم سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اعلیٰ وارفع اخلاقیات سے نوازا اور انتہائی بلند صفات سے متصف کیا کہ جن کی یہ خوبیاں ہوش سنبھالنے سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک قائم دائم رہیں۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پہلے عتبہ بن ابی لہب کے عقد میں تھیں تقدیر نے فضا سیّدہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ہموار کردی کہ ابولہب کا بیٹا عتبہ شادی سے دستبردار ہوگیا، بعد ازاں سیّدہ رضی اللہ عنہا کو ایک نیک، صالح، کشادہ دل، پاکیزہ طبع اور جاں نثار رفیق حیات سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی صورت میں میسر آیا۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے فضل وشرف، منزلت و مرتبت اور عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سرور دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشہ جگر، نورِ چشم اور دو ہجرتوں کا اعلیٰ ترین اعزاز پانے والی ہیں، جو کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اور یہ اعزاز انہیں اُن کے خاوند سمیت اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُمَا الْأَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ إِلَى اللّٰهِ بَعْدَ إِبْرَاهِيمَ وَلُوْطَ .)) [1]

”وہ دونوں (رقیہ اور عثمان) ابراہیم اور لوط (علیہما السلام) کے بعد پہلے ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ہجرت اختیار کی ہے۔“

سیّدہ رضی اللہ عنہا ۲ھ کو غزوۂ بدر کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

[1] انساب الاشراف : ۱۹۹/۱.

سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا:

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تیسری بیٹی اور منزہ و مطہر خانۂ نبوی کے نفیس و نازک ہار کا تیسرا موتی سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔ خانۂ نبوی کے سایہ میں سیّدہ رضی اللہ عنہا نے تقویٰ کی بنیاد پر پرورش پائی۔ انہیں ہر طرح سے خاص توجہ حاصل ہوئی، وہ اپنی والدۂ محترمہ اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے پروان چڑھیں، وہ ایک ایسی جلیل القدر خاتون بنیں کہ جسے اہل زمانہ نے قدر اور تعریف آمیز نگاں سے دیکھا، یہی وجہ ہے کہ جب وہ جوانی کی منزل پر پہنچیں تو ادب، کردار، تربیت اور اخلاق کے اعتبار سے اہل قریش کی ایک قابل قدر دوشیزہ کہلائیں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا پہلے عتبہ بن ابی لہب کے عقد میں تھیں، لیکن وہ دینی مخالفت کے باعث شادی سے دستبردار ہو گیا۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ کی شادی خلیفہ راشد سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی، جو کہ پہلے سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق حیات تھے، ان کی رحلت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری لخت جگر بھی انہی کے عقد میں دے دی۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی۔ بہر حال سیّدہ رضی اللہ عنہا انتہائی صابرہ اور متحملہ خاتون تھیں۔ ہر مصیبت و مشکل کو آزمائش الٰہی سمجھ کر نہایت عمدگی کے ساتھ سہہ لیتی تھیں۔ سیّدہ اُن باشرف خواتین میں سے تھیں کہ جو شعب ابی طالب میں داخل ہوئیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ساتھ حاصل ہوا۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا نے محاصرے کے ایام بڑی تنگی اور مشکل میں گزارے، نیز اپنے والدین محترمین کے ہمراہ محاصرے کی تنگی میں بھر پور حصہ لیا اور اس میں ایسی ایسی سختیاں جھیلنی پڑیں کہ مضبوط سے مضبوط چٹانیں بھی کانپ اٹھیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ رضی اللہ عنہا کو ایک بہترین خاتون قرار دیا۔

سیّدہ رضی اللہ عنہا ۹ھ کو اس دار فانی سے رخصت فرما گئیں۔ سیّدہ کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی، جو کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا اشرف ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ